اخبار الرایہ

شمارنمبر616

(09-ستمبر-2026)

(عربی سے ترجمہ)

کیاشام میں ترکی کاوجود یہودی وجود کے لیے خطرہ ہے؟........................ 2
وسطی ایشیامیں بھارت کی جیوپولیٹیکل (جغرافیائی سیاسی) حکمتِ عملی........................ 6
سوڈانی خاتون صحافی کی یہود کے ساتھ تعلقات معمول پرلانے کی دعوت، جبکہ ان کے ہتھیار اب بھی مسلمانوں کے خون سے ٹپک رہے ہیں!........................ 10
بن غفیر کوجواب وہی ہے جو وہ دیکھے گا، نہ کہ وہ جو سنے گا........................ 14
مسلمانوں کی کون سی فوج دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے نصرة (عسکری مدد) کاشرف حاصل کرے گی؟........................ 17
استعماری امریکہ پرانحصار کے تباہ کن اثرات........................ 18
امریکہ کے اثرورسوخ کے رحم وکرم پر مصر-چین شراکت داری........................ 21
ٹرمپ نے امریکہ کے استعماری کردار کی حقیقت بے نقاب کردی........................ 24
آنے والی بہار، خلافتِ راشدہ کی بہار ہے........................ 26
اے نوجوانانِ اسلام! اے مسلمانوں کی افواج! بیدار ہو جاؤ اور خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے ہمارے ساتھ مل کر کام کرو........................ 27
نائجر: ریاست کو کمزور کرنے سے لے کر اس کی دوبارہ تشکیل کی جنگ تک!........................ 28
آبی گزرگاہیں: عالمی تجارت کی چابیاں کس کے ہاتھ میں ہیں؟........................ 33
پاکستان کا حقیقی مسئلہ اس پر استعمار کی مضبوط گرفت ہے........................ 36
کیا اب وقت نہیں آگیا کہ ہم ظلم کی ریاستوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور رحمت کی ریاست قائم کریں؟........................ 37
ہمیں اپنے ہاتھوں میں بکھری ہوئی طاقت کی وسعت کا ادراک آخر کب ہو گا؟!........................ 38
دنیاو آخرت کی فلاح اللہ کی رضا اور اس کی شریعت کے نفاذ میں ہے........................ 39
فلسطینی انتخابات اس سراب کی مانند ہیں جسے پیاسا شخص پانی سمجھ لیتا ہے........................ 41

اے اہلِ سودان! امریکہ اور اس کے حواریوں کو اپنے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی اجازت نہ دو۔ یہ بات ہرگز نہ بھولو کہ تم اس عظیم امت کا حصہ ہو جس نے صدیوں تک دنیا پر حکمرانی کی؛ اس وقت جب تمہاری خلافت قائم تھی اور ایک ایسا خلیفہ تمہاری قیادت کرتا تھا جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حکومت چلاتا تھا۔ پس نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کے سائے تلے امتِ اسلامیہ کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے جدوجہد کرو۔

کیا شام میں ترکی کا وجود یہودی وجود کے لیے خطرہ ہے؟

تحریر: استاد سالم ابو سبیتان

(ترجمہ)

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں ترکی کے وجود کی نوعیت، مغرب کے ساتھ اس کے تعلقات، بشار الاسد کے نظام کے زوال کے آخری مرحلے میں شام میں اس کے کردار، اور اس نظام کے سقوط کے بعد اس کے ممکنہ کردار کا جائزہ لینا ہوگا۔

ترکی، شمالی اوقیانوس کے معاہدے کی تنظیم (نیٹو) کا رکن ہے اور افرادی قوت اور فوجی ساز و سامان کے اعتبار سے اس اتحاد کی دوسری بڑی طاقت شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس اتحاد کی تشکیل امریکہ نے یورپ میں اپنے مفادات کے حصول اور دنیا بھر میں ان کے تحفظ کے لیے کی تھی۔ ترکی بھی اسی امریکی مدار میں گردش کرتا ہے، اور امریکہ ہی وہ طاقت ہے جو یہودی وجود کو تحفظ فراہم کرتی ہے، اسے طاقت بخشتی ہے اور اسے مختلف طاقتوں اور بین الاقوامی قوانین کی گرفت سے بچاتی ہے۔

شام میں ترکی کی موجودگی کا مقصد شامی نظام کا تحفظ تھا، جس کے خلاف شامی عوام نے 2011ء میں اپنی مبارک تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اس تحریک نے اوباما کے سر کے بال سفید کر دیے تھے اور روسی نظام کے ستونوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ دنیا اس انقلاب سے خوف زدہ تھی کہ کہیں یہ تاریخ کا رخ نہ بدل دے اور اس کے نقوش کو ہمیشہ کے لیے از سرِ نو مرتب نہ کر دے۔

چنانچہ جب اس بوسیدہ نظام کو برقرار رکھنے کے لیے روسی اور ایرانی کارڈز تقریباً بے اثر ہو گئے تو ضروری سمجھا گیا کہ شام کے عوام کے لیے قابلِ قبول نجات کی کشتی کے طور پر "سنی کارڈ" استعمال کیا جائے۔ تاہم اس کارڈ کا استعمال شامی عوام سے کسی محبت یا ہمدردی کی بنیاد پر نہیں تھا، نہ ہی اس کا مقصد اس مجرم اور روبہ زوال نظام کے جرائم کا سدباب کرنا تھا، جس نے بیرل بموں سمیت انتہائی مہلک ہتھیاروں اور تباہ کن گولہ بارود کا بے دریغ استعمال کیا۔

اس کے بجائے اس کا بنیادی مقصد بشار الاسد کے نظام کو سقوط سے بچانا تھا—وہی نظام جس نے جولان کی پہاڑیوں کو فروخت کر دیا اور نصف صدی سے زیادہ عرصے تک اور کسی متبادل کے تیار ہونے تک یہودی وجود کی سرحدوں کی حفاظت کی۔ پھر امریکہ بھلا ایسی ریاست کو کیسے آگے لا سکتا ہے جو ایک طرف اس نظام کو بچائے اور دوسری طرف خود یہودی وجود کے لیے خطرہ بن جائے؟

واقعات کے درست عملی فہم اور ان کے تسلسل پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ شام میں ترکی کے نظام کو استعمال کرنے کے پیچھے چار بنیادی مقاصد کارفرما تھے:

اول: بشار الاسد کے نظام کو اس وقت تک سقوط سے بچائے رکھنا جب تک اس کا متبادل تیار نہ ہو جائے۔

دوم: اس متبادل کی سرپرستی کرنا جو امریکی باورچی خانے میں تیار کیا گیا اور شام کے انقلاب کے آغاز سے گیارہ برس تک بتدریج پروان چڑھایا گیا۔

سوم: مبارک انقلاب کو سبوتاژ کرنا اور اس کے مخلص عسکری دھڑوں اور قیادتوں کا خاتمہ کرنا، جو اسلامی نظام کے قیام کی بنیاد رکھنے کے لیے کوشاں تھے؛ پھر اس منصوبے کا لبادہ احمد الشرع اور اس کے گروہ کو پہنا دیا گیا۔

چہارم: شام میں روسی اثر و رسوخ کو کم کرنا، خصوصاً اس کے بعد جب گرتے ہوئے نظام کو بچانے کے لیے روسی کارڈ کو پوری طرح استعمال کر لیا گیا تھا۔

شام کے انقلاب کے دوران ترکی نے اہلِ شام کو دھمکیوں اور وعدوں کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ حلب اور دیگر شہروں میں قتلِ عام کو دوبارہ ہونے نہیں دے گا۔ اس کی سبز بسیں اہلِ شام کو ان علاقوں سے نکالتی رہیں تاکہ شامی نظام کی افواج اور اس کے حامیوں کے لیے ان علاقوں پر دوبارہ قبضے کی راہ ہموار کی جا سکے۔ دوسری جانب، جن جنگجوؤں نے ترک منصوبے کا حصہ بننے سے انکار کیا، انہیں تنہا چھوڑ دیا گیا تاکہ ان کا صفایا اور خاتمہ کیا جا سکے۔ لوگوں کی اس جبری بے دخلی کا منصوبہ ترکی کے خطرناک ترین اقدامات میں سے ایک تھا۔

شام کے مبارک انقلاب کو حقیقی نقصان پہنچانے والے اقدامات میں سے ایک یہ تھا کہ شامی تنظیموں اور گروہوں کو تین زمروں میں تقسیم کر دیا گیا: ایک وہ جو وفادار ہیں، دوسرا وہ جو تبدیلی کے لیے تیار ہیں، اور تیسرا وہ جن کا خاتمہ ضروری ہے۔ پھر عملاً اسی تقسیم کے مطابق کارروائی کی گئی۔

اہلِ شام کی اس بے دخلی اور ہجرت کی سرپرستی بھی ترکی ہی کر رہا تھا، اور یوں وہ اپنے آخری ہدف کی جانب بڑھ رہا تھا یعنی خطے میں ایک شراکت دار کی حیثیت سے یہودی وجود کا تحفظ۔

ترکی کے یہودی وجود کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں اور وہ ان اولین ممالک میں شامل تھا جنہوں نے اس کے قیام کے اعلان کے بعد اسے تسلیم کیا۔ ترکی کے قائدین—یا ان میں سے بیشتر—دونمہ یہودی تھے جنہوں نے عثمانی خلافت کی ریاست کے کھنڈرات پر سیکولر ترکی کی بنیاد رکھی۔

یہ تعلق اس وقت مزید نمایاں ہو کر سامنے آیا جب طوفان الاقصیٰ آپریشن کے بعد اس مسخ شدہ وجود کو مدد اور تعاون کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ ترکی ہی نے غزہ میں ہمارے لوگوں کے خلاف جنگ اور تاریخ کے ہولناک ترین قتلِ عام کے دوران یہودی وجود کو آذربائیجان کا ایندھن فراہم کیا۔ وہ اسے ایندھن، گولہ بارود، خوراک اور ادویات بھی فراہم کرتا رہا۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کے لیے کسی مزید تحقیق یا دلیل کی ضرورت نہیں؛ خود ایردگان کی جماعت کے متعدد افراد بھی اس کا اعتراف کر چکے ہیں۔

امریکی اور ترک سرپرستی میں تیار کیے گئے، پرورش پانے والے اور محفوظ رکھے جانے والے اس متبادل کے اقتدار سنبھالنے کے بعد، یہودی وجود نے شام پر تقریباً 600 فضائی حملے کیے، جن کے نتیجے میں شامی فوج کی بیشتر عسکری صلاحیت تباہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ صدارتی محل بھی ان حملوں سے محفوظ نہ رہا۔ اس کے طیارے دن رات شام کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرتے رہے، اور یہ سب کچھ ایردگان کے ترک نظام کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا۔

اس کے باوجود ہمیں ترک قیادت کی جانب سے محض کمزور مذمت، رسمی احتجاج، کھوکھلی دھمکیوں، بے بنیاد دعووں اور ڈان کیہوٹے (Don Quixote) جیسے فرضی کارناموں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔

یہاں تک کہ یہودی وجود کی جارحیت کی آگ ابو الظہور کے فوجی ہوائی اڈے تک جا پہنچی، جو شام میں ترک موجودگی کے آغاز ہی سے ترکی کے تحفظ میں تھا۔ تو کیا اس کے بعد صورتِ حال بدل گئی؟ ہرگز نہیں۔

یہودی وجود نے وہی کچھ کیا جو سابق امریکی صدر جو بائیڈن نے اس وقت کہا تھا جب یہودی وجود خطے میں اپنے "طویل ہاتھ"، ناقابلِ تسخیر طاقت اور جدید ترین ریاست ہونے کی سابقہ شبیہ کھو چکا تھا: "اس وجود نے اپنی کھوئی ہوئی دفاعی صلاحیت بحال کرنا شروع کر دی ہے۔"

لہٰذا موجودہ ترکی، یہودی وجود اور خلافت کے بارے میں اپنے نظریے کے اعتبار سے مصطفیٰ کمال کے دور کے ترکی سے مختلف نہیں ہے۔ ایردگان ریاست کے سیکولرازم پر اپنے یقین کا بارہا اظہار کر چکے ہیں۔ چنانچہ ترکی، امریکہ کی غلامی اور اس کے مدار میں گردش کرنے کے باعث، یہودی وجود کے لیے خطرہ نہیں بن سکتا—اور یہودی وجود کے قائدین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔

البتہ یہودی وجود کے لیے اپنی دفاعی صلاحیت اور کھوئی ہوئی ہیبت بحال کرنا اور طوفان الاقصیٰ آپریشن سے پہلے والی اپنی شبیہ دوبارہ قائم کرنا ضروری ہے۔ اسی مقصد کے لیے امریکہ، ترکی اور عرب حکومتوں کی ملی بھگت سے اس جارحیت کا سلسلہ جاری رہنا ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

وسطی ایشیا میں بھارت کی جیو پولیٹیکل (جغرافیائی سیاسی) حکمتِ عملی

تحریر: استاد اسلام ابو خلیل–ازبکستان

(ترجمہ)

بھارتی وزیرِ اعظم نریندر مودی کا 29 اور 30 اگست 2026ء کو ازبکستان کا دورہ محض ایک معمول کا سفارتی دورہ نہیں سمجھا جانا چاہیے، بلکہ اسے ایک اہم واقعے کے طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ یہ وسطی ایشیا میں اپنی معاشی پوزیشن، توانائی کے وسائل اور اسٹریٹیجک شعبوں میں اپنے مقام کو مضبوط بنانے کی بھارتی خارجہ پالیسی کے ایک اہم پہلو کی نمائندگی کرتا ہے۔

ازبکستان اور بھارت نے 1992ء میں سفارتی تعلقات قائم کیے تھے، جنہیں 2011ء میں اسٹریٹیجک شراکت داری کی سطح تک بڑھا دیا گیا۔ پھر 30 اگست 2026ء کو ان تعلقات کو جامع اسٹریٹیجک شراکت داری کی سطح تک لے جایا گیا۔ دونوں ممالک نے تجارت، سرمایہ کاری، توانائی، کان کنی، اہم معدنیات، دفاع، بین الاقوامی اور ادویہ سازی کی صنعتوں، زراعت، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور تعلیم کے شعبوں میں تعاون کو وسعت دینے پر اتفاق کیا۔ اس کے علاوہ بھارت کا سفر کرنے کے خواہش مند ازبک شہریوں کے لیے 30 روزہ ویزا فری داخلے کی سہولت بھی منظور کی گئی۔ اسی طرح 2030ء تک دوطرفہ تجارت کا حجم 5 ارب ڈالر تک پہنچانے کا ہدف مقرر کیا گیا، جبکہ ازبکستان سے بھارت کو یورینیم کی طویل مدتی فراہمی کے طریقۂ کار پر بھی اتفاق کیا گیا۔

لیکن بنیادی سوال اپنی جگہ موجود ہے: بھارت آخر اسی وقت ازبکستان اور وسطی ایشیا پر اتنی غیر معمولی توجہ کیوں دے رہا ہے؟

چین ایک ایسا حریف جس سے تعلق منقطع نہیں کیا جاسکتا:

بھارت کے لیے چین ایشیا میں ایک اہم جغرافیائی سیاسی حریف ہے۔ ہمالیہ میں سرحدی تنازعات، چین اور پاکستان کے درمیان بڑھتی ہوئی قربت، اور وسطی ایشیا میں چینی اثر و رسوخ کے مسلسل پھیلاؤ نے بھارت کی تشویش میں اضافہ کیا ہے۔ تاہم بھارت چین کے ساتھ براہِ راست محاذ آرائی کے بجائے اسٹریٹجک خود مختاری کی پالیسی کو ترجیح دیتا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب چین "بیلٹ اینڈ روڈ" اقدام کے ذریعے پورے یوریشیا میں نقل و حمل اور تجارت کے اپنے نیٹ ورک کو وسعت دے رہا ہے، بھارت بھی اپنے طور پر تجارتی راستوں اور متبادل راہداریوں کی تعمیر کی کوشش کر رہا ہے۔

جغرافیہ بھارت کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ ہے:

بھارت کے لیے سب سے بڑا مسئلہ جغرافیہ ہے۔ وسطی ایشیا تک اس کا کوئی براہِ راست زمینی راستہ نہیں، جبکہ پاکستان کے راستے وہاں تک رسائی دونوں ممالک کے سیاسی اختلافات کے باعث محدود ہے۔ اسی وجہ سے بھارت ایرانی بندرگاہ چابہار اور بین الاقوامی شمال-جنوب ٹرانسپورٹ راہداری کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ یہ راستہ ایران کے ذریعے بھارت کو وسطی ایشیا، قفقاز اور روس سے جوڑ سکتا ہے۔ یوں وسطی ایشیا بھارت کے لیے محض ایک تجارتی منڈی نہیں، بلکہ ایک ایسے یوریشیائی راستے کی تعمیر کا موقع بھی ہے جو چین یا پاکستان کے اثر سے آزاد ہو۔

روس اب بھی ایک اہم شراکت دار ہے

مغرب کے ساتھ بڑھتی ہوئی قربت کے باوجود بھارت نے روس کے ساتھ اپنے فوجی و تکنیکی، توانائی اور جوہری شعبوں کے تعلقات برقرار رکھے ہیں۔ تاہم یوکرین جنگ کے تناظر میں روس کا چین پر بڑھتا ہوا انحصار بھارت کو اپنے حساب کتاب پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ چنانچہ بھارت روس کے ساتھ اپنے تعلقات برقرار رکھتے ہوئے وسطی ایشیا میں اپنی آزادانہ حیثیت کو مزید مستحکم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

آخر ازبکستان ہی کیوں؟

ازبکستان وسطی ایشیا کے قلب میں واقع ہے اور خطے کے تمام ممالک کے ساتھ اس کی سرحدیں ملتی ہیں۔ یہ ایک بڑی منڈی بھی ہے اور اسٹریٹجک معدنیات کے قابلِ ذکر ذخائر سے بھی مالا مال ہے۔ اس کے علاوہ ازبکستان نے چین، روس، ترکیہ، آذربائیجان اور یورپ کے ساتھ نسبتاً متوازن تعلقات قائم کیے ہیں۔

اس پس منظر میں ازبک وزیرِ خارجہ بختیار سعیدوف کا 3 اور 4 اگست 2026ء کو بھارت کا دورہ اس عمل کا ایک اہم مرحلہ تھا۔ اس دورے کے دوران تجارت، سرمایہ کاری، کان کنی، نایاب زمینی عناصر، ادویہ سازی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبوں میں تعاون پر بات چیت ہوئی۔ اس کے بعد مودی کا دورۂ ازبکستان ان تعلقات کو ایک نئی سطح تک لے جانے کی عملی کوشش تھا۔

یورینیم محض ایک عام شے نہیں

یورینیم محض کوئی عام معدنی یا تجارتی شے نہیں؛ اس کا تعلق توانائی، جوہری ٹیکنالوجی اور اسٹریٹجک سلامتی سے ہے۔ اس لیے اصل سوال صرف یہ نہیں کہ یورینیم کی کتنی مقدار فروخت کی گئی، بلکہ یہ بھی ہے کہ اسے کن شرائط کے تحت فراہم کیا جائے گا، اس کی اضافی قدر (ویلیو ایڈیشن) کہاں پیدا ہوگی، اور کیا ازبکستان اس عمل میں متعلقہ ٹیکنالوجی بھی حاصل کرے گا یا محض خام مال برآمد کرنے والے ملک کی حیثیت سے رہ جائے گا؟

یہ بھی کوئی نیا معاملہ نہیں۔ بھارتی پارلیمنٹ کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق 2019ء میں ازبکستان کے ساتھ 2022ء سے 2026ء تک 1100 ٹن قدرتی یورینیم کنسنٹریٹس کی فراہمی کے لیے ایک طویل مدتی معاہدہ کیا گیا تھا۔ بھارت کے پاس یورینیم افزودہ کرنے کی صلاحیت اور جوہری ہتھیاروں کا پروگرام موجود ہے، جبکہ اس کی بعض اسٹریٹجک جوہری تنصیبات بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی (IAEA) کے حفاظتی انتظامات کے دائرے میں نہیں آتیں۔ اس لیے ازبک یورینیم کی آئندہ جوہری سپلائی چین کی شفافیت، اس کے استعمال کے مقاصد اور اس کی برآمد سے متعلق شرائط غیر معمولی اسٹریٹجک اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔

موجودہ مرحلے میں چین کو وسائل اور نقل و حمل کے راستوں کی ضرورت ہے، روس کو منڈیوں اور علاقائی اثر و رسوخ کی؛ ترکیہ اور آذربائیجان کو راہداریوں اور لاجسٹک روابط کی، جبکہ یورپ کو نئے وسائل اور متبادل راستوں کی تلاش ہے۔ دوسری جانب بھارت کو وسائل، نئی منڈیوں اور وسطی ایشیا تک رسائی درکار ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ان دونوں ممالک کے درمیان بڑھتے ہوئے تعاون کو کسی واضح امریکی مخالفت کا سامنا نہیں۔ بلکہ اس کے بعض پہلو وسطی ایشیا میں چینی اثر و رسوخ کو متوازن کرنے کے امریکی مقصد سے ہم آہنگ بھی ہو سکتے ہیں۔

ازبک حکام ایک غاصب ریاست کے وزیرِ اعظم اور مسلمانوں کے قاتل کے لیے جس قدر احترام کا مظاہرہ کر رہے ہیں، وہ انتہائی افسوس ناک ہے۔ اگر ان کے دل میں اپنے رب اور اپنی مسلم امت کے لیے حیا کا ذرہ بھر بھی احساس ہوتا تو وہ ایسی مجرمانہ حکومتوں کے نمائندوں کی میزبانی اور تکریم کے بجائے انہیں ان کے جرائم پر جواب دہ ٹھہراتے۔ امتِ مسلمہ کی قیادت اور اس کی نجات کا شرف ہر ایک کے حصے میں نہیں آتا۔ اس کے لیے خالص ایمان، مضبوط کردار اور ایسے صالح اعمال درکار ہوتے ہیں جو اللہ عزوجل کے ہاں انسان کا مرتبہ بلند کریں۔ آج کی بین الاقوامی سیاست میں ایسے قائد کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے؛ بلکہ اس کی ضرورت پانی اور ہوا کی طرح ناگزیر ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَاداً فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾. "اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم تو ان سے دوستی کی باتیں کرتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس کا انکار کر چکے ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس لیے (وطن سے) نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ، پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کے لیے اور میری رضا کی طلب میں نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ کرو)۔ تم پوشیدہ طور پر ان سے محبت کے تعلقات قائم کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، میں اسے خوب جانتا ہوں۔ اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا، وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔" (سورۃ الممتحنۃ: آیت 1)

سوڈانی خاتون صحافی کی یہود کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے کی دعوت، جبکہ ان کے ہتھیار اب بھی مسلمانوں کے خون سے ٹپک رہے ہیں!

تحریر: استاد محمد جامع (ابو ایمن)

(ترجمہ)

یہ انتہائی توہین آمیز اور شرمناک بات ہے کہ سوڈان، جو رکوع و سجود کرنے والوں، جنگجوؤں اور مجاہدین کی سرزمین ہے، میں کوئی خاتون صحافی یہودی وجود کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے (نارملائزیشن) کی دعوت دے، جبکہ پوری دنیا ان کے ان جرائم کا مشاہدہ کر رہی ہے جن سے صرف وہی شخص غافل رہ سکتا ہے جو یا تو اس سازش کا حصہ بن چکا ہو اور اس کی قیمت وصول کر رہا ہو، یا پھر عقل و بصیرت سے بالکل محروم ہو چکا ہو۔

خاتون صحافی رشان اوشی نے 29 اگست 2026ء کو "ہم اسرائیل کو ملیشیا کے لیے کیوں چھوڑ دیں؟" کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا۔ گویا وہ کسی دوسری دنیا میں رہتی ہوں اور یہود کے ان جرائم سے بے خبر ہوں جنہوں نے دنیا کے گوشے گوشے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، یہاں تک کہ لوگ خود ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں؛ حتیٰ کہ امریکہ میں بھی، جو اس مسخ شدہ وجود کا سب سے بڑا سرپرست اور حامی ہے۔

انہوں نے اپنے صفحے پر یہ مضمون اس انداز سے تحریر کیا ہے جیسے ان کا اس عظیم امت سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، جس کے مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قید کرنے اور قتل کرنے میں یہود کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہے۔

اپنے اس مذموم مضمون میں وہ لکھتی ہیں: "اگر ملیشیا اسرائیل کو تلاش کر رہی ہے اور اس کے ساتھ رابطے کے ذرائع کھول رہی ہے، تو پھر سوڈانی ریاست نے اس میدان کو کیوں خالی چھوڑ رکھا ہے؟ اسرائیل برسوں سے ایک وسیع علاقائی اثر و رسوخ کے منصوبے پر کام کر رہا ہے، اور بحیرۂ احمر اس کے اہم ترین اہداف میں سے ایک ہے۔ وہ بحری سلامتی،

بندر گاہوں، زراعت، پانی، توانائی اور قدرتی وسائل کو اسٹریٹجک شعبوں کے طور پر دیکھتا ہے۔ دوسری طرف، سوڈان کے پاس طاقت کے ایسے وسائل ہیں جو بہت سے ممالک کے پاس نہیں: ایک غیر معمولی جغرافیائی محلِ وقوع، بحیرۂ احمر پر طویل ساحلی پٹی، وسیع زرعی اراضی، مویشی اور معدنی دولت، اور پانی کے بے پناہ وسائل۔ تو کیا ہم ان تمام وسائل کو زمین کے اندر ہی دبا رہنے دیں اور پھر یہ شکایت کریں کہ دوسرے ان میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں؟"

اگر یہ ذلت، محکومی اور ایسے حملہ آور دشمن کے سامنے اپنی سرزمین اور وسائل کو سرنڈر کرنا نہیں ہے جو قتل و غارت گری اور لوٹ مار میں مصروف ہے، تو پھر اسے کیا نام دیا جائے؟!

حقیقت یہ ہے کہ کوئی صحافی اس نوعیت کی زہریلی اور مشکوک دعوت دینے کی جرأت اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک اسے ملک کے ان سیاسی اور فوجی رہنماؤں کی طرف سے ہری جھنڈی نہ مل چکی ہو، جو پہلے ہی یہود کے ساتھ اتفاقِ رائے کر چکے ہیں اور جنگ سے چند ماہ قبل خرطوم میں یہودی سیاسی، فوجی اور سیکورٹی وفود اور رہنماؤں کا استقبال کر چکے ہیں، یعنی ان قاتلوں کا، جن کے ہاتھ آج بھی مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

اور ذلت ورسوائی کی انتہا یہ ہے کہ سوڈانی وزیرِ دفاع یاسین ابراہیم نے جنوری 2021ء میں یہود کے اس وقت کے وزیرِ انٹیلی جنس ایلی کوہن کو ایک M16 رائفل تحفے میں دی تھی۔ کوہن نے اس وقت عبرانی ویب سائٹ "وائی نیٹ" (Ynet) کے ذریعے تصدیق کی تھی کہ وہ اس تحفے پر حیران رہ گئے تھے، اور انہوں نے واضح کیا تھا کہ یہ ایک حقیقی اسالٹ رائفل تھی، محض کوئی کھلونا نہیں۔ تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ ایک فوجی کمانڈر اپنا ہتھیار اپنے ہی دشمن کو تحفے میں دے رہا ہو؟!

آج بعض صحافیوں اور دیگر افراد کی جانب سے تعلقات معمول پر لانے (نارملائزیشن) کے حوالے سے جو ذلت آمیز بیانات سامنے آرہے ہیں، ان کی صرف ایک ہی تشریح ہو سکتی ہے: یہ کہ یہود کے ساتھ ایک گندی سیاسی کھچڑی پکائی جا رہی ہے، جسے حکومت آگے بڑھانا چاہتی ہے، حالانکہ وہ خود جانتی ہے کہ یہ ایک گھناؤنا جرم ہے اور اس ملک کے لوگوں کے عقیدے پر حملہ ہے۔ وہ لوگ جو یہود کی غداری کو اچھی طرح جانتے ہیں، اور وہ پوری دنیا سمیت امت کے خلاف یہود کے جرائم، قید و بند، بے دخلی، قتل اور تباہی، کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

اس سے پہلے کہ اس کھچڑی کے عیوب یا اس متوقع غدارانہ معاہدے کے پردے چاک ہوں، اللہ انہیں رسوا کرے اور ان کے گناہ آلود منصوبے کو ناکام بنائے۔ یہ سب ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب استعمار اور غاصبانہ قبضے کے ساتھ کیے

جانے والے جرائم اور معاہدوں نے شرم و حیا کے تمام پردے چاک کر دیے ہیں، اور ہمارے ملک کے سیاسی حلقے اور بعض فوجی رہنما ان حرکتوں کے عادی ہو چکے ہیں۔

اکثر حکومتیں متعدد صحافیوں کو اپنے لیے استعمال کرتی ہیں اور ان کے ذریعے آزمائشی غبارے چھوڑتی ہیں، تاکہ امت کے موقف اور اس کے ردِ عمل کا اندازہ لگایا جا سکے: آیا ردِ عمل معمولی ہو گا یا ایسا طاقتور، طوفانی اور حقائق کو بے نقاب کر دینے والا کہ پورے منصوبے کے چہرے سے نقاب اتر جائے؟ اور اس معاملے میں ردِ عمل ایسا ہی ہونا چاہیے: طاقتور، طوفانی اور پردہ چاک کر دینے والا، بغیر کسی لگی لپٹی کے، کیونکہ معاملہ انتہائی سنگین ہے۔

یہ انتہائی ڈھٹائی اور غداری ہے کہ کوئی شخص، خواہ وہ صحافی ہو، سیاست دان ہو یا فوجی، ہمیں قاتل یہود، جو بندر اور سور کے بھائی ہیں، کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے کی دعوت دے۔ ہم مسلمان بہترین امت ہیں، اور ہمیں ان سے ہمیشہ تکلیف پہنچتی رہی ہے۔ جنوبی سوڈان کی جنگ اور اس کی علیحدگی کے اثرات آج بھی باقی ہیں۔ یہ وہ جرم تھا جس کی سرپرستی امریکہ نے کی اور جس میں یہودی وجود نے ابلاغی، عسکری اور سیکورٹی کے محاذوں پر کھلے طور پر حصہ لیا۔ پھر یہود کے داخلی سیکورٹی کے ڈائریکٹر آوی ڈیکٹر کا ستمبر 2008ء کا وہ مشہور لیکچر بھی ہے، جو سوشل میڈیا پر نشر ہوا تھا اور جس میں سوڈان کے خلاف اس سازش اور گٹھ جوڑ کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ جنوبی سوڈان کی علیحدگی میں شریک رہے ہیں اور اب دارفور کو الگ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ آج وہی منصوبہ آگے بڑھتا دکھائی دے رہا ہے، اور اس میں سیاست دان، فوجی اور صحافی سب اپنے اپنے کردار ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس خاتون صحافی کی جانب سے یہود کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے کی دعوت کو معصومانہ یا محض ایک ذاتی رائے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وجوہات اور جواز کچھ بھی پیش کیے جائیں، یہ اسی سازش کے تسلسل کا حصہ ہے۔

پس ہمارے خلاف سازش کرنے والے ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم مسلمان ایک عظیم امت ہیں، اور دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند اور وسائل سے مالا مال خطوں کے مالک ہیں۔ ہمیں اپنی زمین اور اس کی دولت اپنے دشمنوں کے حوالے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ایسی مشکوک اور غداری سے لبریز دعوتوں کے پیچھے، خواہ وہ کسی صحافی کی طرف سے آئیں، کسی سیاست دان کی طرف سے یا کسی فوجی کی طرف سے، دشمن کی غلامی اور اس کی دلالی کے سوا کوئی حقیقی محرک نہیں ہو سکتا!

سوڈان کے معزز اور مخلص صحافیو! آپ مسلمان ہیں، اور آپ پر لازم ہے کہ اپنی امت کی صفوں میں کھڑے ہوں، نہ کہ ان دشمنوں کی صفوں میں جو ہمارے خلاف گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

اور اے خاتون صحافی اوشی! اپنے نفس، اپنے ملک اور اپنی قوم کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ یہود جس سرزمین پر بھی اترے، وہاں فساد، بربادی اور تباہی کے آثار نمایاں ہوئے۔ اور مسجدِ اقصیٰ، جو رسول اللہ ﷺ کے سفر اسراء کی منزل ہے، آج بھی یہود کے قبضے میں اور غصب شدہ ہے۔

غزہ کے واقعات اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں اور ان لوگوں کے جرائم کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں جن کے ساتھ یہ خاتون صحافی ہمیں معاہدہ کرنے اور تعلقات معمول پر لانے کی دعوت دے رہی ہیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ غزہ کو حکمرانوں نے بے یار و مددگار چھوڑ رکھا ہے؟ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ آزاد اور باعفت خواتین اس پر آنسو بہا رہی ہیں اور مرد اس کی مدد کرنے سے عاجز ہیں؟! تاریخ یہود کے جرائم کی گواہیوں سے بھری پڑی ہے، اور قرآن سب سے بڑی گواہی ہے۔ کیا آپ نسل کشی کے اس سلسلے کو نہیں دیکھ رہے جو غزہ میں اب تک جاری ہے؟! کیا آپ تاریخ نہیں پڑھتے؟! بلکہ کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے؟! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ "یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے سخت دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔" (سورۃ المائدہ: آیت 82)

اے اللہ! ہم تجھ سے ایسی ریاست کا سوال کرتے ہیں جو اسلام کو قائم کرے، تیری شریعت کو نافذ کرے، امت کو متحد کرے اور زمین پر کمزوروں اور مظلوموں کی مدد کرے۔ اے رب العالمین! ہم تجھ سے نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کا سوال کرتے ہیں۔

ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے نائب ترجمان

بن غفیر کو جواب وہی ہے جو وہ دیکھے گا، نہ کہ وہ جو سنے گا

ارضِ مبارک فلسطین میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کی جانب سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں کہا گیا ہے:

یہودی عورت کے بیٹے بن غفیر نے ایک نہایت سنگین اور شرمناک حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔ اس نے ایک ایسی ویڈیو نشر کی جس میں وہ ارضِ مبارک کی آزاد، باعزم اور مومن مسلمان قیدی خواتین کے سامنے کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ ان خواتین کا محض قید میں ہونا ہی غیرت مند لوگوں کے سینوں میں خون کھول دینے کے لیے کافی ہونا چاہیے تھا۔ اگر غیرت صرف دلوں میں نہیں بلکہ عمل میں بھی دکھائی دیتی، تو ان خواتین پر ظلم و ستم اور انہیں بنیادی ضروریات سے محروم کرنا ایسا واقعہ ہونا چاہیے تھا جو ان میں سے کسی ایک کے سر کے بال کی خاطر بھی پوری پوری فوجوں کو حرکت میں لے آتا۔

لیکن بن غفیر کا اپنی اس گھٹیا حرکت پر فخر کرنا تو ایسا آتش فشاں بن کر پھٹنا چاہیے تھا جو حکومتوں کو گرا دیتا، نظاموں کو بدل ڈالتا اور اس شخص اور اس کے پیچھے کھڑی قوتوں سے انتقام لینے کے لیے پوری امت کو حرکت میں لے آتا؛ یہاں تک کہ ہر مظلوم اور غیور خاتون کو اطمینان حاصل ہوتا، جس کی خاموش فریاد گویا یہ پکار رہی ہے: ہائے اسلام! ہائے خلیفہ!

بیان میں مزید کہا گیا: جہاں تک اس کافرہ کے بیٹے کی جانب سے اس ویڈیو کو نشر کرنے اور اپنی اس گھناؤنی حرکت پر اترانے کا تعلق ہے، تو اس کا جواب سننے میں نہیں بلکہ دیکھنے میں ملنا چاہیے۔ آزادی اور نصرت کا وقت آ پہنچا ہے؛ ایسا وقت جس میں تاخیر کے بجائے جلدی کرنا لازم ہے۔ اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے: **«مَنْ كَانَ سَامِعاً فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ» "جو شخص میری بات سن رہا ہے، وہ عصر کی نماز بنو قریظہ کے ہاں پہنچ کر ہی پڑھے۔"**

لیکن اس کافرہ کے بیٹے کو مسلمانوں کے مردوں کی طرف سے کسی حقیقی ردِ عمل کا خوف نہ تھا۔ اس کے مجرم یہودی وجود نے غزہ اور مغربی کنارے میں فلسطینیوں کے خون کی ندیاں بہا دیں، مگر اسے مردوں کی جانب سے کوئی ایسا طاقتور اور عبرت ناک جواب نہ ملا جو اسے روک سکتا؛ صرف غصے کی وہ آوازیں سنائی دیں جو عمل میں نہ ڈھل سکیں، اور ایسے نعرے بلند ہوئے جو کسی عملی اقدام کا پیش خیمہ نہ بن سکے۔

پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کی جائے اسراء، مسجدِ اقصیٰ، پر بھی دھاوا بولا، مگر وہاں بھی اسے مردوں کی طرف سے کوئی مؤثر مزاحمت نظر نہ آئی اور نہ امت کی جانب سے کوئی ایسی بڑی حرکت سامنے آئی جو اسے روک دیتی۔ یوں اس کی جسارت بڑھتی گئی، کیونکہ اسے محسوس ہونے لگا کہ شاید امت بھی اپنے حکمرانوں ہی کی طرح بے حس ہو چکی ہے اور اس کی فوجیں بھی انہی نظاموں کی طرح بے اثر ہو چکی ہیں۔

چنانچہ وہ سزا سے بے خوف ہو گیا اور ان نعروں کو بھی بھول گیا جو شام کے لوگوں کی جانب سے جہاد کی پکار بن کر دنیا میں گونج رہے ہیں: **"ہم آرہے ہیں، ہم آرہے ہیں!"** مصر کے لوگ پکار رہے ہیں: **"ہم جہاد کرنا چاہتے ہیں!"** اردن کے لوگ کہہ رہے ہیں: **"ہمارے لیے سرحدیں کھول دو!"** اور مغرب، یعنی مراکش، کے وہ فوجی جو یوسف بن تاشفین کے سچے وارث ہیں، آزادی کے لیے بے قرار ہیں۔ اسی طرح ترکی میں محمد فاتح اور عبد الحمید کے وارث فوجی بھی تڑپ رہے ہیں اور بیٹھے رہنے کے بجائے حرکت میں آنے کے لیے تیار ہیں۔

بیان میں مزید کہا گیا: حقیقت یہ ہے کہ جس چیز نے اس کافرہ کے بیٹے کو ہمارے خلاف دلیر کیا، وہ یہ یقین نہیں کہ امت کبھی حرکت نہیں کرے گی یا مسلمان فوجی آزادی کے لیے بے تاب نہیں ہیں۔ بلکہ شام وغیرہ میں امت کے ہر ہتھیار کو نشانہ بنانے کی کوشش اس لیے کی جارہی ہے کہ دشمن انجام سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ جنگ آنے والی ہے۔

لیکن ان کافروں کے بیٹوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ نظام جو ان کے اور امت کے دشمنوں کے وفادار ہیں، امت کو لگام ڈالنے اور اس کے دل کی تڑپ کو ٹھنڈا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہی ان کی سب سے بڑی غلط فہمی ہے، اور یہی گمان، اللہ کے حکم سے، ان کی تباہی کا سبب بنے گا۔

وہ نہیں جانتے کہ شیر بہت جلد اپنی زنجیریں توڑ کر نکلیں گے، اور امت بہت جلد اپنے حکمرانوں کا گریبان پکڑ لے گی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدے اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے مطابق نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہونے والی ہے۔ اس دن اس کا سپہ سالار پکارے گا: **"لبیک اے میری بہن! تمہاری مدد کر دی گئی ہے۔"**

اے کافرہ کے بیٹے! تمہارا جواب وہ نہیں جو تم سنو گے، بلکہ وہ ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے؛ ایسا جواب جو ہر آزاد اور غیور خاتون کے آنسو پونچھے گا، اس سے معذرت کرے گا اور تمہیں ایسا سخت اور عبرت ناک انجام دے گا کہ وہ مثال بن جائے گا۔

بیان کے اختتام میں کہا گیا: جنگ کا آنا ناگزیر ہے، اور ارضِ مبارک بہت جلد یہودیوں کی ناپاکی سے پاک ہو جائے گی؛ بالکل اسی طرح جیسے سورج کا مشرق سے طلوع ہونا ایک یقینی حقیقت ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ اسلام کا پرچم مسجدِ اقصیٰ پر ضرور لہرائے گا۔

امت اور اس کے سپاہیوں پر لازم ہے کہ وہ ان مردہ نظاموں کو دفن کرنے میں تاخیر نہ کریں اور اسلام کو بحیثیتِ نظامِ حکومت، جہاد، فتوحات اور آزادی دوبارہ نافذ کریں۔ اس دن غیور خواتین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اور اللہ کے حکم سے وہ دن بہت قریب ہے: ﴿**وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ**﴾ **"اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام کی طرف پلٹنے والے ہیں۔"** (سورۃ الشعراء: آیت 227)

مسلمانوں کی کون سی فوج دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے نصرۃ (عسکری مدد) کا شرف حاصل کرے گی؟

امریکہ اپنی طاقت کے عروج پر نہیں بلکہ زوال کے ایک واضح مرحلے سے گزر رہا ہے۔ آج وہ مسلمانوں کے اندر موجود اپنے ایجنٹوں اور حواریوں کے سہارے ہی لنگڑاتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔اس کا معاشی زوال اس کے بڑھتے ہوئے قرضوں کے بحران سے نمایاں ہے، جہاں سرمایہ دارانہ بینک اور کمپنیاں عام امریکی کی زندگی کا خون چوس کر اپنے خزانے سود سے بھر رہی ہیں۔ اس کا عسکری زوال اس حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایرانی پاسدارانِ انقلاب کے اندر موجود اس گروہ پر بھی اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکا جو اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر رہا ہے، جبکہ ایران پر زمینی حملہ کر کے اسے فتح کرنے کی اس کی نااہلی بھی اس کی فوجی کمزوری کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کا سیاسی زوال اس کی گہری ریاست کے اندر پڑنے والی دراڑوں سے عیاں ہے، جہاں ڈیموکریٹس اور ریپبلکن ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار ہیں، جبکہ دنیا بھر میں اس کے اتحادی اس کے تکبر اور انہیں تنہا چھوڑ دینے کے رویے پر غم و غصے سے بھرے ہوئے ہیں۔

اے امتِ اسلامیہ اور اے اس کی افواج! یہ امر کس قدر افسوس ناک ہے کہ اگر ہماری فوجوں میں موجود مخلص افسران اس موقع سے فائدہ اٹھاتے، امریکہ کی بیساکھیوں کو گرا دیتے اور دوسری خلافتِ راشدہ کے سائے تلے اسلامی ممالک کو متحد کر دیتے، تو وہ امریکہ کو ہمارے ممالک سے نکلنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اگر ایرانی پاسدارانِ انقلاب کے اندر موجود مزاحمت کرنے والا گروہ بھی حزب التحریر کی پکار پر لبیک کہتا اور دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے نصرت فراہم کرتا، تو ایران اسلامی ممالک کو متحد کرنے کا ایک مضبوط مرکز بن سکتا تھا۔

لہٰذا پاکستان، حجاز، ترکی اور مصر کی طاقتور فوجوں میں موجود مخلص افسران کو چاہیے کہ وہ غدار حکمرانوں کا تختہ الٹنے اور حزب التحریر کو نصرت فراہم کرنے کے لیے فوری طور پر حرکت میں آئیں، تاکہ نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ وجود میں آ سکے؛ ایسی خلافت جو کافروں کے ساتھ اتحاد کا خاتمہ کرے اور مسلمانوں کے ممالک کو ایک وحدت میں متحد کر دے۔ تو مسلمانوں کی کون سی فوج دینِ حنیف کے غلبے اور تمکین کے لیے سب سے پہلے نصرت پیش کرنے کا شرف حاصل کرے گی؟

استعماری امریکہ پر انحصار کے تباہ کن اثرات

تحریر: استاد یوسف ارسلان-(ترجمہ)

جدید امریکی استعمار محض فوجی اور اقتصادی تسلط مسلط کرنے تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا اختاپوسی (Octopus) نظام ہے جو کمزور اور مظلوم اقوام کے ذہن، طرزِ فکر اور کائنات کے بارے میں ان کے تصور پر سب سے پہلا اور سب سے مہلک وار کرتا ہے۔ اس بالادست قوت پر انحصار درحقیقت فکری اور سیاسی غلامی کی زنجیروں کو رضاکارانہ طور پر قبول کرنے کے مترادف ہے؛ کیونکہ مغربی استعمار پر کسی بھی بہانے تکیہ کرنا آزادی کو پامال کرتا ہے اور قوموں کو ایسے بے بس آلات میں تبدیل کر دیتا ہے جو بالآخر امریکہ کے مفادات ہی کی خدمت کرتے ہیں۔

ذیل میں اس تباہ کن انحصار کے نتیجے میں سامنے آنے والے پانچ فیصلہ کن اثرات کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

اول: فکری اور ثقافتی شناخت کا چھینا جانا

اس غلامی کا پہلا اور سب سے تباہ کن نتیجہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کی ثقافت اور اس کی عقیدتی بنیادوں کو مغربی بھٹی میں پگھلا دیا جائے۔ چنانچہ امریکہ امت کی شناخت چھیننے اور اس کے بیٹوں کے دلوں میں مزاحمت کی چنگاری بجھانے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے؛ جن میں سیکولرازم کا فروغ، قوم پرستانہ نعروں کی ترویج، سیاسی حقیقت پسندی کی تلقین، اور شناخت کو مسخ کرنے والے منصوبے، مثلاً گمراہ کن "ابراہیمی معاہدات" اور "ابراہیمی وفاقیت" کے تصورات شامل ہیں۔ اسی طرح امریکہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کی راہ روکنے، ان کی عظمتِ رفتہ اور وقار کی بحالی کو سبوتاژ کرنے اور خلافت کے پرچم تلے ان کے جغرافیائی و سیاسی اتحاد کو ناممکن بنانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ امت کے سیاسی طرزِ فکر کو تبدیل کرتا، اس کے حکمرانوں کو اپنا مطیع بناتا اور اسلامی ممالک میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے نرم و سخت، دونوں طرح کے استعماری حربے استعمال کرتا ہے۔ اس جارحانہ پالیسی کا مقصد اسلامی عقیدے کی جگہ مغربی مادی اقدار کو مسلط کرنا اور اسلام سے پھوٹنے والی ہر آزاد سیاسی فکر کو کچل دینا ہے، تاکہ اسلامی ممالک پر اپنے مستقل تسلط کو یقینی بنایا جا سکے۔

دوم: مفاد کا سراب اور منظم بے وفائی

بعض مقتدر حلقے اور جماعتیں سیاسی حقیقت پسندی اور مفاد جیسے پر کشش مگر گمراہ کن نعروں کی آڑ میں مغرب اور امریکہ کے ساتھ قریبی تعلقات استوار کرنے کی ضرورت پر زور دیتی ہیں۔ ان کا دعویٰ ہوتا ہے کہ پہلے اقتصادی اور فوجی طاقت حاصل کی جائے، پھر کسی وقت امت کی امنگوں کو پورا کیا جاسکے گا۔ مگر گزشتہ صدی کے تجربات نے اس دعوے کو یکسر باطل ثابت کر دیا ہے۔ یہ مفروضہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیطان سے اس امید پر صلح کر لے کہ بعد میں اسے شکست دینے کے لیے طاقت جمع کر لی جائے گی! اسی مفاد پرستانہ منطق کے تحت ترکی، شام، پاکستان، سعودی عرب، خلیجی ممالک، اردن اور مصر کے حکمران غزہ اور امت کے دیگر مسائل کے ساتھ صریح غداری کر رہے ہیں۔ مظلوموں کی مدد کے لیے اپنی فوجیں حرکت میں لانے کے بجائے یہ حکومتیں امریکہ کے لیے حفاظتی حصار بن چکی ہیں اور اپنے کردار کو ایسے ثالثی اقدامات تک محدود کر چکی ہیں جن کا مقصد یہودی وجود کو تحفظ دینا، امریکی بحرانوں پر قابو پانا اور فوجی معاہدوں پر دستخط کرنا ہے۔

سوم: عہد و پیمان اور معاہدوں کی خلاف ورزی

امریکی سفارت کاری عہد و پیمان اور معاہدوں کو کسی اخلاقی قدر سے عاری کر کے انہیں محض دشمن کو دھوکا دینے، وقت حاصل کرنے اور بحرانوں سے نکلنے کے لیے سٹریٹیجک حربوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ متعدد بین الاقوامی واقعات اس بنیادی اور ساختی عہد شکنی کی گواہی دیتے ہیں؛ مثلاً ایران کے جوہری معاہدے سے یک طرفہ دست برداری، پیرس ماحولیاتی معاہدے سے علیحدگی، اور تحریکِ طالبان کے ساتھ دوحہ معاہدے کی مسلسل خلاف ورزیاں۔ اس غداری کی بدترین صورت غزہ کی پٹی میں جاری نسل کشی کی جنگ کے دوران یہودی وجود کو مالی اور فوجی امداد فراہم کرنے اور بارہا حقِ استرداد (ویٹو) استعمال کرنے کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ یوں ایک طرف امریکہ جھوٹے طور پر انسانی حقوق کا راگ الاپتا ہے، اور دوسری طرف قابض فوج کے اسلحہ خانے کو مسلسل ہتھیاروں سے بھرتا رہتا ہے، تاکہ دسیوں ہزار مسلمان عورتوں اور بچوں کے خون بہانے میں براہِ راست شریکِ جرم رہے۔

چہارم: گماشتوں اور آلاتِ کار کا ناگزیر انجام

وہ گماشتہ حکمران جو قبضے اور استعمار کو برقرار رکھنے کے لیے امریکہ پر بھروسا کرتے ہیں، ان کا انجام بالآخر انتہائی ذلت آمیز ہوتا ہے۔ امریکی سرپرستی میں چلنے والے ٹیکنوکریٹس کا شرم ناک فرار، جس کی ایک نمایاں مثال افغانستان سے اشرف غنی کا فرار ہے، اور جس پر زلمے خلیل زاد بارہا سرِعام الزام عائد کر چکے ہیں، اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے۔

پاکستان کا سیاسی منظرنامہ بھی اسی حقیقت کی ایک واضح مثال پیش کرتا ہے۔ یہاں امریکہ نے اپنے علاقائی اثر ورسوخ کو مضبوط بنانے کے لیے سابق وزیرِ اعظم عمران خان کو استعمال کیا، اور جب ان کی ضرورت ختم ہو گئی تو پاکستانی فوج کی قیادت کے ساتھ سازش کرتے ہوئے خفیہ سائفر پیغام نمبر I-0678 کے ذریعے ان کے خلاف کارروائی کی راہ ہموار کی گئی، جس کے نتیجے میں وہ اقتدار سے بے دخل ہوئے اور پھر جیل بھیج دیے گئے۔ امریکہ اپنے آلاتِ کار سے مقصد حاصل کر لینے کے بعد انہیں بے رحمی سے تنہا چھوڑ دیتا ہے؛ بلکہ ان کے معاشروں میں پھیلنے والی ناکامی، بدعنوانی اور افراتفری کا تمام تر ملبہ بھی انہی کے کندھوں پر ڈال دیتا ہے!

پنجم: امریکہ پوری دنیا کے لیے ایک خطرہ ہے

امریکی استعمار کا یہ سرطان صرف اسلامی دنیا تک محدود نہیں، بلکہ پوری انسانیت اس کے ظلم کی چکی میں پس رہی ہے۔ یوکرین کا بحران اور نیٹو کے جغرافیائی و سیاسی تنازعے میں کیف کو قربانی کا بکرا بنانا اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ لاطینی امریکہ میں وینزویلا کے حالیہ واقعات نے بھی اس تسلط کے لٹیرا مزاج بے نقاب کر دیا ہے۔ کاراکاس پر برسوں تک مسلط کیے گئے تباہ کن اقتصادی محاصرے کے بعد امریکہ نے اپنا تسلط قائم کیا اور وینزویلا کے تیل پر قبضہ کر لیا۔ یہی استعماری چیرہ دستی دنیا کی مختلف قوموں کو دائمی غربت اور ہمہ گیر بدعنوانی کی دلدل میں دھکیلنے کی بنیادی وجوہ میں سے ایک ہے۔

مسلمانوں کی ایک پوری صدی کی ذلت اور لاکھوں مظلوموں کے قافلوں کا انجام اس حقیقت کو قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ استعمار کی زنجیروں سے نجات اس مسلط کردہ مغربی نظام سے مکمل علیحدگی اور نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کی ریاست کے قیام کے بغیر ممکن نہیں۔ امریکہ دنیا میں اپنے گماشتوں پر جو ذلت و خواری مسلط کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں اور فوجوں کو جہنم کے دروازوں کی طرف بھی دھکیل رہا ہے۔ اس کے بدلے وہ اسلامی سیاسی فکر سے دست بردار ہو جاتے ہیں، دین کو قائم اور غالب کرنے سے منہ موڑ لیتے ہیں اور مظلوموں کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ یوں وہ انہیں بھی اپنے ساتھ اسی عبرت ناک انجام کی طرف لے جاتا ہے۔ پس صرف خلافت ہی، اپنے حقیقی سیاسی استقلال اور اسلامی سیاسی فکرِ قائد کی بحالی کے ذریعے، اس مغربی استعماری اختاپوس کو مفلوج کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؛ اور وہی سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم و استحصال سے انسانیت کو نجات دلا کر اسلام کے عدل اور اس کی وسعت و فراخی سے بہرہ مند کر سکتی ہے۔

ولایہ افغانستان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے سربراہ

امریکہ کے اثر ورسوخ کے رحم وکرم پر مصر-چین شراکت داری

تحریر: استاد سعید فضل

(ترجمہ)

چین کے صدر شی جن پنگ نے بدھ، 2 ستمبر 2026ء کو مصر کا دورہ کیا۔ اسے اگرچہ ایک اقتصادی دورہ قرار دیا گیا، لیکن یہ ان کے گزشتہ دورۂ مصر کے دس سال بعد ہوا ہے، اس لیے اسے محض ایک معمول کے اقتصادی دورے تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ دورے کے دوران ''مصر وژن 2030'' اور ''بیلٹ اینڈ روڈ'' اقدام کے فریم ورک کے تحت باہمی تعاون کو فروغ دینے پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔ اس موقع پر معیشت، تجارت، صنعت، سپلائی چینز، مصنوعی ذہانت، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور بیلٹ اینڈ روڈ اقدام کے شعبوں میں تعاون سے متعلق 20 سے زائد دستاویزی معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔ اسی طرح نہرِ سوئز کے علاقے میں قائم مصری-چینی صنعتی زون ''تیڈا'' کے تیسرے مرحلے کا بھی آغاز کیا گیا، جس میں قابلِ تجدید توانائی، آٹوموبائل، ٹیکسٹائل، الیکٹرانکس اور انجینئرنگ جیسی صنعتوں پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تعمیراتی منصوبوں یا محض چینی مصنوعات کی درآمد تک محدود رہنے کے بجائے مشترکہ پیداوار اور ٹیکنالوجی کی منتقلی کے ذریعے صنعتی اور تکنیکی تعاون کو مزید گہرا کرنے پر بھی گفتگو ہوئی۔

اس دورے کا گہرائی سے جائزہ لینے والے کے لیے یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ تمام بڑی طاقتوں کی نظریں مسلم ممالک کے وسیع وسائل پر جمی ہوئی ہیں۔ وہ ان ممالک کو ایسے خزانے کے طور پر دیکھتی ہیں جو لوٹے جانے کے لیے تیار پڑے ہیں، اور ساتھ ہی اپنی مصنوعات کے لیے ایسی صارف منڈیوں کے طور پر بھی دیکھتی ہیں جہاں وہ اپنی تیار کردہ اشیا کھپا سکیں۔ ان مصنوعات کی تیاری میں مسلمانوں کے ممالک سے سستے داموں حاصل کیے گئے توانائی کے وسائل اور خام مال استعمال کیے جاتے ہیں، پھر انہی سے تیار شدہ مصنوعات انہی ممالک کو مہنگے داموں فروخت کی جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان طے پانے والے بیس معاہدوں کا بڑا حصہ بالآخر چین کے مفاد میں جاتا دکھائی دیتا ہے، اور یہ بات دونوں ممالک کے درمیان تجارتی توازن میں موجود وسیع فرق سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔ صرف 2026ء کی پہلی ششماہی میں چین سے مصر کی درآمدات تقریباً 10.4 ارب ڈالر تک پہنچ گئیں، جبکہ اس کے مقابلے میں مصری برآمدات 600 ملین ڈالر سے بھی کم رہیں۔ یوں صرف چھ ماہ میں تقریباً 9.8 ارب ڈالر کا تجارتی خسارہ سامنے آیا۔

اس حقیقت پر بھی غور کرنا چاہیے کہ چین کی برآمدات میں زیادہ تر تیار شدہ صارف مصنوعات شامل ہیں، جبکہ مصر کی برآمدات میں زرعی و غذائی اجناس، کھادیں، کیمیکلز اور تعمیراتی سامان جیسے اہم اور بنیادی مواد شامل ہیں۔

افریقہ بالعموم اور مصر بالخصوص میں اپنی منڈیوں کو وسعت دینے کی چینی کوششوں کے ساتھ ساتھ چین نے مصر میں اپنی سرمایہ کاری بڑھا کر تقریباً 10 ارب ڈالر تک پہنچادی ہے، جبکہ اسے تقریباً 14 ارب ڈالر تک لے جانے کا ہدف بھی مقرر کیا گیا ہے۔ مصر میں تقریباً تین ہزار چینی کمپنیاں کام کر رہی ہیں، جن میں سے لگ بھگ 200 نہرِ سوئز کے اقتصادی زون میں سرگرم ہیں۔ اس کے ساتھ نہرِ سوئز کے علاقے میں صنعتی زون کے ایک نئے مرحلے کا آغاز چین کو عالمی تجارت کے لیے اس غیر معمولی اہمیت کے حامل خطے میں مزید گہرا اقتصادی اثر و رسوخ حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

چنانچہ چینی صدر شی جن پنگ کے دورۂ مصر کو محض دونوں ممالک کے باہمی تعلقات میں پیش رفت کے طور پر نہیں دیکھا جا سکتا، بلکہ یہ مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کی تجارتی منڈیوں پر چین اور امریکہ کے درمیان جاری رسہ کشی کے ایک اہم مرحلے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

اگرچہ شی جن پنگ کا یہ دورہ چین کے لیے، بالخصوص ڈیجیٹل بنیادی ڈھانچے، مصنوعی ذہانت اور سرمایہ کاری کے شعبوں میں، اہم اقتصادی اور تکنیکی مواقع رکھتا ہے، لیکن امریکہ نوازی میں ڈوبے مصر کے حقیقی حالات، اور اس کے حکمرانوں اور سیاسی و معاشی حلقوں کے امریکی کٹھ پتلی اور کارندے ہونے کی حقیقت سے ناواقفیت چینی صدر کی سیاسی بصیرت پر سوال اٹھاتی ہے۔ یا پھر یہ ان کی اس حرص کا نتیجہ ہے جس نے ان کے سیاسی شعور پر پردہ ڈال دیا ہے۔ حقیقت بہر حال یہ ہے کہ یہ معاہدے عملی مرحلے میں چین کے لیے اس وقت تک کوئی خاص فائدہ نہیں لا سکتے جب تک ان پر عمل درآمد نہ ہو۔ اصل مسئلہ صرف معاہدے پر دستخط کر دینا نہیں، بلکہ اسے عملی جامہ پہنانا ہے۔ اور اس عمل درآمد کا اختیار مصری فریق کے دستخط کنندگان کے پاس نہیں؛ انہیں واشنگٹن میں موجود اپنے آقا ٹرمپ کی جانب سے سبز اشارے کا انتظار کرنا ہو گا۔ اور یقیناً یہ سبز اشارہ اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک اس میں خود امریکہ کا کوئی مفاد پوشیدہ نہ ہو، یا اسے چین کے خلاف مختلف متنازع فائلوں میں دباؤ کے ایک ایسے کارڈ کے طور پر استعمال نہ کیا جا سکے جسے واشنگٹن ضرورت کے وقت چین کے خلاف بروئے کار لائے۔

وہ شخص سخت غلط فہمی میں مبتلا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کے تجربہ کار سیاست دانوں، جن میں چینی صدر بھی شامل ہیں، کے پاس لازماً گہری سیاسی بصیرت اور غیر معمولی حکمتِ عملی ہوتی ہے۔ حقیقت اکثر اس کے برعکس ہوتی ہے۔ یہ دورہ

اس بات کو واضح کرتا ہے کہ چینی صدر سیاسی فہم و فراست سے محروم ہیں؛ کیونکہ چین اور مصر کے درمیان محض تجارتی معاہدے کرلینا اور سرمایہ کاری کے منصوبوں میں اربوں ڈالر جھونک دینا کافی نہیں۔ چین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ان سرمایہ کاریوں کو دیگر استعماری حریفوں، بالخصوص امریکہ، سے بھی محفوظ رکھے۔ مثال کے طور پر، بیلٹ اینڈ روڈ منصوبہ جن ممالک سے گزرتا ہے، ان میں سے بیشتر امریکی اثر و رسوخ کے تابع ہیں۔ چنانچہ امریکہ جب چاہے، چین پر دباؤ ڈالنے یا اسے بلیک میل کرنے کے لیے کسی بھی مرحلے پر اس منصوبے کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر سکتا ہے۔ اسی لیے چینی صدر کے اس دورے اور "ٹرمپ کے پسندیدہ ڈکٹیٹر" سیسی کے ساتھ طے پانے والے معاہدوں کی کامیابی بالآخر امریکہ کی رضامندی پر منحصر ہے، اور یہ تصور کرنا بھی بعید از قیاس ہے کہ امریکہ کبھی ایسے معاہدوں پر خوش دلی سے رضامند ہو گا۔

دنیا میں موجود استعماری قوتیں مسلم ممالک میں موجود وسائل کی وسعت سے بھی واقف ہیں اور ان کے سٹریٹیجک محلِ وقوع کی اہمیت سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طاقتیں ان وسائل اور علاقوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے برسرِپیکار ہیں۔ اور ان قوتوں کے درمیان جاری اس کشمکش کا سب سے اہم ہتھیار یہی کٹھ پتلی حکومتیں ہیں۔ اگر یہ کٹھ پتلی نظام موجود نہ ہوتے جو استعمار کو امت کے وسائل پر قابض ہونے کا راستہ فراہم کرتے ہیں، تو امت خود اپنی ان دولتوں اور نعمتوں سے فائدہ اٹھاتی اور معاشی، تکنیکی اور تجارتی اعتبار سے ایک خوش حال اور ترقی یافتہ امت بن چکی ہوتی۔ اس لیے امت اور اس کے مخلص اہلِ قوت و اقتدار پر لازم ہے کہ وہ ان کٹھ پتلی نظاموں کا خاتمہ کریں اور ایسے خلیفۂ راشد کو قائم کریں جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکومت کرے، تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سے راضی ہو اور امت ان خیرات و برکات سے بہرہ مند ہو سکے جو اللہ نے اس کے لیے ودیعت کر رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ "اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلایا، تو ہم نے انہیں ان کے ان کرتوتوں کی پاداش میں پکڑ لیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔" (سورۃ الاعراف: آیت 96)

ولایہ مصر میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

ٹرمپ نے امریکہ کے استعماری کردار کی حقیقت بے نقاب کردی

امریکی صدر ٹرمپ نے فنزویلا کے تیل کے 65 ارب بیرل سے زائد کے ذخائر پر امریکی کنٹرول حاصل کرنے پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "وزیر خارجہ روبیو اور وزیر دفاع ہیگسیتھ میری ہدایات کے تحت فنزویلا کے 65 ارب بیرل سے زائد کے تصدیق شدہ تیل کے ذخائر کے بڑے حصے پر امریکی کنٹرول محفوظ بنانے میں کامیاب رہے ہیں، اور یہ سب امریکی ٹیکس دہندگان پر کسی لاگت کے بغیر ممکن ہوا۔"

اس حوالے سے حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کی جانب سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں کہا گیا:

ٹرمپ نے اپنے پڑوسی ملک کے وسائل اور تیل پر بلاجواز قبضہ کرنے اور اسے لوٹنے پر فخر کر کے کوئی نئی حقیقت آشکار نہیں کی۔ امریکہ ایسا صرف اس لیے کر رہا ہے کہ وہ زیادہ طاقتور ہے اور طاقت کے اس قانون کو نافذ کرنا چاہتا ہے جس میں طاقتور کمزور کو نگل جاتا ہے۔ امریکہ کی یہ حقیقت نہ کوئی راز ہے اور نہ نئی۔ یہ اس کے قیام کے زمانے ہی سے اس کے کردار کا حصہ رہی ہے، جب یورپی آبادکاروں نے لاکھوں مقامی باشندوں کو قتل کیا اور ان کی سرزمین پر اپنی ریاست قائم کی۔ پھر گزشتہ صدی کے وسط کے بعد، جب امریکہ اپنی تنہائی سے نکل کر عالمی سیاست میں ایک بڑی قوت کے طور پر ابھرا، تو اس کی استعماریت اپنی بدترین شکل میں سامنے آئی۔ اس نے دنیا کے مختلف ممالک کو نوآبادیاتی نظام کے تابع کیا، مسلم ممالک پر قبضہ کیا، ان میں سے بہت سے ممالک کو اپنا محکوم بنایا اور ان کے عوام پر ایسے حکمران مسلط کیے جو اس کے مفادات کے محافظ بن گئے۔ ان حکمرانوں نے اپنے عوام پر ظلم کیا، ان کے ممالک کو پسماندہ رکھا اور ان کے وسائل لوٹنے میں استعمار کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ آج مسلم ممالک غربت، بھوک اور پسماندگی کی علامت بنے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کی سرزمینیں تیل، گیس اور معدنی دولت سمیت بے پناہ وسائل سے مالا مال ہیں۔ ان ممالک کے عوام بجلی، پانی، روٹی، دوا اور زندگی کی بنیادی ضروریات تک کی قلت کا شکار ہیں، جبکہ ان کے وسائل ایسے حکمرانوں کے ہاتھوں میں ہیں جو امریکی اور یورپی استعمار کے مفادات پورے کرتے ہیں۔

اسی لیے پوری دنیا کو دوسری خلافتِ راشدہ کی ریاست کی شدید ضرورت ہے؛ ایسی ریاست جو تمام انسانوں کے لیے عدل اور رحمت کا مظہر ہو اور ٹرمپ جیسے استعمار پسند، متکبر اور جابر حکمرانوں کے ظلم کی جڑیں کاٹ دے۔ بلاشبہ اسلام انسان کا وقار بلند کرتا ہے اور اسے ظلم، غربت اور تنگ دستی کے اندھیروں سے نکال کر روشنی، رحمت اور خوش حالی کی طرف لے جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ اور ان کی ریاست اس حقیقت کی گواہ ہے۔ اسلام نے سرخ و سیاہ، عرب و عجم، غریب و امیر کے درمیان انسانی برابری قائم کی۔ اسلامی ریاست جب کسی سرزمین کو اپنے اقتدار میں لاتی تو اسے لوٹ مار اور نوآبادیاتی استحصال کا میدان نہیں بناتی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں کو تحفظ، خدمت اور عدل فراہم کرتی تھی، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل ہو: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾. **"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔"** (سورۃ الانبیاء: آیت 107)

آنے والی بہار، خلافتِ راشدہ کی بہار ہے

اے امتِ اسلامیہ کے بیٹو! اسلام کا کردار سرمایہ داری میں پیوند لگانا یا اس کے بدصورت چہرے کو خوب صورت بنا کر پیش کرنا نہیں ہے۔ اسلام ظلم کے ساتھ سمجھوتہ کرنے نہیں آیا، بلکہ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے آیا ہے۔ اسلام کا فرض انسانیت کو سرمایہ داری کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور میں لانا اور اس کے ظلم و جرائم سے نکال کر اسلام کے عدل و امان میں پہنچانا ہے۔ اسلام انسان کو انسان کی غلامی سے نکال کر صرف ایک اللہ کی بندگی کی طرف بلاتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی وہ اسلام ہے جسے ہم نافذ کرنا چاہتے ہیں؛ وہ اسلام جو دنیا کی قیادت کرے، نہ کہ کسی گوشے میں مقید ہو کر رہ جائے۔

پس تم اس دین کے انصار بنو اور ان لوگوں کا ساتھ دو جو اسے اس کے حقیقی مقام پر واپس لانے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں؛ ایسا دین جو انسانیت کا قائد ہو، پیروکار نہ ہو؛ حاکم ہو، محکوم نہ ہو؛ اور معزز ہو، ذلیل نہ ہو۔

امت کی نجات کا کوئی راستہ نہیں سوائے اس خلافت کے جو اس کے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کرے، اس کی حاکمیت بحال کرے، اس کی شریعت نافذ کرے اور اس کا پیغام دنیا تک پہنچائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِن تَنْصُرُواْ اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ **"اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔"** (سورۃ محمد: آیت 7) اللہ کی نصرت اس کے دین کی مدد کرنے، اس کی شریعت نافذ کرنے اور اس کی ریاست قائم کرنے میں ہے۔ ہمیں اللہ کے فضل سے پورا یقین ہے کہ آنے والی بہار خلافت کی بہار ہو گی: ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُواْ أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾ **"اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام کی طرف پلٹنے والے ہیں۔"** (سورۃ الشعراء: 227) ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَن يَكُونَ قَرِيباً﴾ **"اور وہ کہتے ہیں: یہ کب ہو گا؟ آپ کہہ دیجیے: امید ہے کہ وہ جلد ہی ہو گا۔"** (سورۃ الاسراء: 51)

اے نوجوانانِ اسلام! اے مسلمانوں کی افواج! بیدار ہو جاؤ اور خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے ہمارے ساتھ مل کر کام کرو

اے امتِ اسلامیہ کے بیٹو! ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ مغرب کے ان ہاتھوں کو روکنے کے لیے جدوجہد کرو جو ہمارے ممالک اور ہمارے وسائل سے کھیل رہے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے بقا کے بنیادی مسائل کی حفاظت کریں اور انہیں عملی طور پر حل کرنے کے لیے کام کریں۔ ان میں سب سے اہم مسئلہ خلافت کی ریاست کا قیام ہے، جس کے ذریعے ہم مغرب کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اسے اپنے ممالک سے نکال سکتے ہیں اور اپنے وسائل کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں۔ غدار حکمرانوں، انسانوں کے بنائے ہوئے دساتیر اور ایسی حکومتوں سے وابستگی بہت ہو چکی جو ہماری حقیقی نمائندگی نہیں کرتیں، خواہ وہ جمہوری ہوں، سیکولر ہوں یا کسی اور انسانی نظریے پر قائم ہوں۔ آیئے اس نظامِ حکومت کی طرف لوٹیں جس کے نفاذ کا اللہ عزوجل نے ہمیں حکم دیا ہے؛ اسی میں ہماری اور پوری انسانیت کی بھلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ **"اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔"** (سورۃ المائدہ:49)

اے نوجوانانِ اسلام! اے مسلمانوں کی افواج! بیدار ہو جاؤ اور دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے ہمارے ساتھ مل کر جدوجہد کرو، جس کا رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی ہے۔ اگر ہم اپنے دین کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے اور اللہ کی مضبوط رسی کو نہیں تھامیں گے تو ہمارے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىَ لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ **"دین میں کوئی زبردستی نہیں؛ یقیناً ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ پس جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے، اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جس کے لیے کوئی ٹوٹنا نہیں، اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔"** (سورۃ البقرہ:256)

نائجر: ریاست کو کمزور کرنے سے لے کر اس کی دوبارہ تشکیل کی جنگ تک!

تحریر: انجینئر وسام الاطرش

(ترجمہ)

ہفتہ، 29 اگست 2026ء کی صبح دارالحکومت نیامی کو ہلا دینے والی فوجی بغاوت کے بعد نائجر ایک بار پھر سلامتی اور سیاسی عدم استحکام کے نئے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ جولائی 2023ء میں اقتدار سنبھالنے کے بعد جنرل عبدالرحمن تشیانی کے نظام کو درپیش اب تک کا سب سے سنگین اندرونی چیلنج ہے۔

وزارتِ دفاع کے ایک سرکاری بیان کے مطابق یہ کارروائی نصف شب کے بعد شروع ہوئی، جب فوجیوں کے ایک گروہ نے دیوری ہامانی بین الاقوامی ہوائی اڈے کی حدود میں واقع فضائی اڈہ 101 کے اندر اپنے متعدد ساتھیوں کو حراست میں لے لیا اور اس کے بعد دارالحکومت کے حساس مقامات پر فائرنگ شروع کر دی۔ وزیرِ دفاع کے مطابق دفاعی اور سکیورٹی فورسز نے فوری کارروائی کرتے ہوئے باغیوں کے خلاف پیش قدمی کی اور نشانہ بنائے گئے مقامات کا بتدریج دوبارہ کنٹرول سنبھالنا شروع کر دیا۔ (الجزیرہ، 2026/08/29ء)

لیکن یہ معاملہ محض کسی فوجی بیرک کے اندر محدود پیمانے کی بغاوت تک نہیں رہا۔ ہوائی اڈے، فضائی اڈے اور صدارتی محل کے گردونواح میں شدید فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں سنی گئیں، جبکہ باغیوں نے دارالحکومت کے قلب میں واقع مراکزِ اقتدار تک پہنچنے کی کوشش کی۔ کارروائی کی زد میں قومی ٹیلی ویژن کا صدر دفتر بھی آیا، جس کی نشریات دوبارہ بحال ہونے سے پہلے کئی گھنٹوں تک معطل رہیں۔ اس اقدام کی سیاسی معنویت واضح ہے، کیونکہ دارالحکومت اور ریاستی اداروں پر قبضہ جمانے کی کسی بھی فوجی کوشش میں سرکاری میڈیا پر کنٹرول حاصل کرنا ایک بنیادی ہدف سمجھا جاتا ہے۔ (روزنامہ الخلیج، 2026/08/30ء)

رپورٹس کے مطابق صدارتی محافظین جنرل تشیانی کے وفادار رہے اور صدارتی محل سے باغیوں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ بعد ازاں حکام نے بغاوت پر قابو پانے، نشانہ بننے والے مقامات کا دوبارہ کنٹرول حاصل کرنے اور حالات معمول پر آنے کا اعلان کیا، جبکہ دیوری ہامانی ہوائی اڈے پر بھی سرگرمیاں بحال کر دی گئیں۔ جہاں تک جانی نقصان کا تعلق ہے، حکام نے تاحال کوئی حتمی اور تفصیلی اعداد و شمار جاری نہیں کیے، تاہم سرکاری ٹیلی ویژن نے درجنوں فوجیوں کی ہلاکت اور گرفتاری کی اطلاع دی ہے۔

تاہم اس واقعے کی اہمیت صرف جانی نقصان کی مقدار میں نہیں، بلکہ ان اہداف کی نوعیت میں پوشیدہ ہے جنہیں بغاوت کا نشانہ بنایا گیا۔ فضائی اڈہ 101، نیامی ہوائی اڈا، صدارتی محل اور قومی ٹیلی ویژن ملک میں عسکری، سیاسی اور ابلاغی طاقت کے اہم ترین مراکز شمار ہوتے ہیں۔

سب سے زیادہ معنی خیز بات یہ ہے کہ فضائی اڈہ 101 خود رواں سال دو مرتبہ حملوں کا نشانہ بن چکا ہے۔ پہلا حملہ جنوری میں ہوا، جب "تنظیم الدولہ فی الساحل" نے اس اڈے کو نشانہ بنایا۔ حکام کے مطابق اس حملے میں 20 حملہ آور مارے گئے جبکہ چار فوجی زخمی ہوئے۔ دوسرا حملہ جون میں ہوا، جس کی ذمہ داری "جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین" نے قبول کی۔ وزارتِ دفاع کے مطابق اس حملے میں سکیورٹی فورسز کے 11 اہلکار اور دو شہری ہلاک ہوئے، جبکہ جوابی کارروائی میں 22 حملہ آور مارے گئے اور تقریباً 20 مشتبہ افراد گرفتار کیے گئے۔

اس اڈے کی اہمیت اس کے دیوری ہامانی ہوائی اڈے کے اندر واقع ہونے کے ساتھ ساتھ فوج کی فضائی اور جاسوسی صلاحیتوں، بالخصوص ڈرونز، میں اس کے اہم کردار کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ کسی مسلح گروہ کے نشانے پر رہنے والا یہ اڈہ جب اندرونی فوجی بغاوت کا مرکز بن جائے تو یہ تشیانی کے نظام کو درپیش سکیورٹی کی سنگین کمزوری کی ایک مجسم علامت بن جاتا ہے۔

یہ امریکہ نواز نظام آج ایسی مختلف اور بظاہر متضاد قوتوں کے سامنے کھڑا ہے جو مسلح گروہوں سے لے کر باغی فوجیوں تک پھیلی ہوئی ہیں، لیکن عملی طور پر سب اسی مقام کو نشانہ بنانے پر متفق دکھائی دیتی ہیں۔ یہ وہی عسکری اور خود مختاری کی علامتی اہمیت رکھنے والا مقام ہے جس کا تعلق تاریخی طور پر نائجر میں فرانس کے اثر و رسوخ سے رہا ہے۔ یوں ریاست کے مضبوط ترین مراکز میں شمار ہونے والا ایک ایسا مرکز، جسے دارالحکومت کا مضبوط محافظ اور اس کی فضائی حدود کا نگہبان ہونا چاہیے تھا، خود ایک کھلی کمزوری میں تبدیل ہو گیا ہے۔ گویا حکومت کے مخالفین کے باہمی اختلافات بھی اس

اہم مرکزِ اقتدار پر ضرب لگانے اور سیکورٹی کنٹرول کی اس علامت کو اس کی کمزوری کا پتا بنانے میں ان کے مفادات کے ملاپ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکے۔

اس بغاوت کی معنویت فضائی اڈہ 101 کی حدود سے کہیں آگے جاتی ہے، کیونکہ یہ اس تضاد کو ایک بار پھر نمایاں کرتی ہے جو اقتدار سنبھالنے کے بعد سے جنرل تشیانی کا تعاقب کر رہا ہے۔ جنرل نے جولائی 2023ء میں منتخب صدر محمد بازوم کا تختہ الٹتے ہوئے ان پر ملکی سلامتی کو داؤ پر لگانے کا الزام عائد کیا تھا۔ اس وقت مسلح گروہوں کے خلاف جنگ اور امن و امان بر قرار رکھنے میں حکومت کی ناکامی کو فوجی بغاوت کا سب سے بڑا جواز بنا کر پیش کیا گیا تھا۔

لیکن تین سال بعد یہی نظام خود اسی دیرینہ مسئلے کے سامنے کھڑا ہے، البتہ اس بار صورتِ حال کہیں زیادہ سنگین ہے۔ سکیورٹی کا بگاڑ اب محض بیرونی دشمنوں کے خلاف فوجی وسائل کو کھپا دینے تک محدود نہیں رہا، بلکہ ریاست کے اندرونی ڈھانچے کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے لگا ہے۔ رپورٹس کے مطابق مسلسل جانی نقصان اور عسکری دباؤ سے پیدا ہونے والی مایوسی ہی وہ محرک تھی جس نے بعض فوجیوں کو بغاوت کی راہ پر ڈالا۔

یوں بحران ریاست اور مسلح گروہوں کے درمیان جنگ سے نکل کر خود فوج کے اندر اعتماد کے بحران میں تبدیل ہو رہا ہے، اور یہ کسی بھی عسکری ادارے کی قوت کو اندر سے نچوڑ دینے کا خطرناک ترین عمل ہے۔ درست ہے کہ حکومت بغاوت کو کچلنے اور نشانہ بننے والے مقامات پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی، لیکن فوجیوں کے ایک گروہ کا اس طرح انتہائی حساس مقامات تک پہنچ جانا ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ ریاست پر بظاہر مکمل کنٹرول کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عسکری ادارہ اندر سے بھی متحد اور مضبوط ہے۔

2023ء کی فوجی بغاوت کے بعد نائجر میں رونما ہونے والی جغرافیائی سیاسی تبدیلیوں نے اس منظر نامے کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔ عسکری حکومت نے فرانس کے ساتھ تعلقات منقطع کیے، اس کے فوجیوں کو ملک سے نکالا، اور پھر امریکہ کے ساتھ بھی اسی نوعیت کا ایک ظاہری فاصلہ اختیار کیا، تاکہ امریکی گرین سگنل کے تحت روس کی طرف جھک سکے۔ اسی طرح امریکی حکم پر مالی اور برکینا فاسو کے ساتھ مل کر "اتحادِ دولِ ساحل" قائم کیا گیا۔ حالیہ بغاوت کے دوران بھی نائجر کی حکومت نے روس سے مدد طلب کی، کیونکہ نشانہ بننے والے اسی فضائی اڈے پر روسی افواج پہلے ہی موجود تھیں۔

دوسری طرف، نائجر کی حکومت جنوری کے حملے کے بعد فرانس پر ملک کو غیر مستحکم کرنے، مسلح گروہوں سے گٹھ جوڑ کرنے اور اس کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرنے کے الزامات بھی عائد کر چکی ہے، جن کی پیرس نے تردید کی تھی۔

تاہم معاملہ اب محض ایک عسکری حکومت اور مسلح گروہوں کے درمیان تصادم تک محدود نہیں رہا۔ اس کا گہرا تعلق اس ملک کے اندر اثر ورسوخ کی نئی تقسیم سے ہے، جہاں مغربی اثر ورسوخ کے خاتمے کے پردے میں مختلف قوتیں اپنے اتحاد از سرِ نو ترتیب دے رہی ہیں اور اب ترکی سمیت دیگر ابھرتی ہوئی طاقتیں بھی اپنی موجودگی اور مفادات کو وسعت دے رہی ہیں۔

اس زاویے سے دیکھا جائے تو حکومت کو لگنے والے پے در پے جھٹکوں کو محض اسے تھکانے اور کمزور کرنے کی کوشش قرار دینا کافی نہیں۔ یہ دراصل طاقت کے توازن کو از سرِ نو مرتب کرنے کے عمل کا ایک اہم حصہ ہیں۔ مسلح گروہ اسے باہر سے نچوڑ رہے ہیں، فوجی بغاوت نے اس کی اندرونی کمزوری کا پردہ چاک کر دیا ہے، جبکہ روسی مداخلت حکومت کے ساتھ اس کے عارضی تعلق کو مزید مستحکم کرتی ہے اور امریکہ کو اپنے پتے دوبارہ ترتیب دینے اور نئے کردار تقسیم کرنے کا جواز فراہم کرتی ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ 2023ء کی فوجی بغاوت سے پہلے بھی اصل اقتدار کی باگ ڈور امریکہ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ دوسری جانب، حکومت کی مزید کسی بھی کمزوری سے دیگر قوتوں کے لیے اپنے قدم جمانے اور نائجر کے مستقبل پر اثر انداز ہونے کے نئے دروازے کھل سکتے ہیں۔

اس پورے منظر نامے میں ترکی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ گزشتہ برسوں کے دوران ترکی نے نائجر میں بالخصوص دفاع، انٹیلی جنس اور توانائی کے شعبوں میں اپنی موجودگی مسلسل مضبوط کی ہے اور وہ نائجر کو مغربی افریقہ میں اپنے اثر ورسوخ کی توسیع کے لیے ایک اہم دروازہ سمجھتا ہے۔ (الجزیرہ، 2024/07/28ء)۔ یوں یہ میدان محض مغرب اور روس کے درمیان دو قطبی کشمکش تک محدود نہیں رہا، جیسا کہ یہ امریکہ نواز حکومت اپنے پروپیگنڈے میں ظاہر کرتی ہے، بلکہ اب یہ ایک وسیع تر مسابقت کا میدان بن چکا ہے جس میں یورپ کے اثر ورسوخ کو چیلنج کرنے والی کئی قوتیں سرگرم ہیں، جن میں امریکہ، ترکی اور روس نمایاں ہیں۔

اور روس، جو اپنے زیرِ اثر "افریقہ کور" کے ذریعے افریقی ساحل کے ممالک میں مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگ چکا ہے، کفر اور جرم کی علامت امریکہ کے لیے ایک کرائے کے قاتل سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسے اس غلیظ کردار پر آمادہ کرنے والی اصل محرک وہ بین الاقوامی مفادات کی حرص ہے جن کی امیدیں امریکہ نے اسے دلا رکھی ہیں۔

چنانچہ اس بغاوت کی ناکامی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بحران ٹل گیا ہے۔ بلکہ یہ نائجر کے مستقبل پر جاری کشمکش کے ایک نئے مرحلے کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے۔ حکومت نے اگرچہ نشانہ بننے والے مقامات پر دوبارہ قبضہ حاصل کر لیا ہے، لیکن

اب وہ پہلے سے کہیں زیادہ روسی سہارے کی محتاج ہے۔ دوسری طرف مسلح گروہوں کا دباؤ اور خود فوج کے اندر چھپی بے چینی بدستور موجود ہے، اور یہ سب ایک ایسی ڈرون جنگ کے سائے میں ہو رہا ہے جس نے باقاعدہ فوجوں کو تھکا دینے اور ان کی روایتی عسکری برتری کو گھِسا دینے کی اپنی بھرپور صلاحیت ثابت کر دی ہے۔

لیکن اس سے بھی زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ ریاست کا یہ مسلسل زوال جنگ کی پوری نوعیت کو بدل سکتا ہے۔ مسلح گروہ، بالخصوص طالبان کے ماڈل سے متاثر "جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین"، محض ریاست کے وسائل نچوڑنے والی قوت سے آگے بڑھ کر اس کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والے فریق میں تبدیل ہو سکتے ہیں، جیسا کہ شام کا تجربہ اس امر کو ثابت کر چکا ہے۔ یہیں سے ایک اور خطرہ سر اٹھاتا ہے: امریکہ اس تبدیلی کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہوئے ایسی قوتیں پیدا کر سکتا ہے جو زبان سے اسلامی بیانیہ اختیار کریں، لیکن انجام کار عالمی نظام کے ضوابط اور مفادات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں، حتیٰ کہ یہودی وجود کے ساتھ تعلقات کی بحالی، یعنی تطبیع، بھی اسی کا حصہ بن جائے۔

اور یوں مستقبل کی جنگ صرف اس سوال پر منحصر نہیں ہوگی کہ اس مسلم ملک پر حکمرانی کون کرے گا، بلکہ اصل معرکہ اس بات پر ہوگا کہ اگر امریکہ نے اپنے ایجنٹ تشیانی سے ہاتھ کھینچ لیا تو اس مسلسل تباہی کے ملبے سے کیسا اسلام اور کیسی ریاست وجود میں آئے گی؟

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ سازش کرنے والوں کی سازشوں کو انہی کے خلاف پھیر دے اور مسلمانوں کو جلد از جلد نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ عطا فرمائے، جو استعماری کفار کی نیندیں حرام کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾۔"اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست، حکمت والا ہے۔(سورۃ آل عمران : آیت 126)

آبی گزر گاہیں: عالمی تجارت کی چابیاں کس کے ہاتھ میں ہیں؟

تحریر: استاد مونس حمید–ولایتِ عراق

(ترجمہ)

آبی گزر گاہیں محض سمندری راستے نہیں ہیں، بلکہ یہ عالمی تجارت اور توانائی کی شہ رگیں ہیں۔ آبنائے ہرمز سے لے کر باب المندب اور نہرِ سوئز تک پھیلی یہ گزر گاہیں مشرق کو مغرب سے جوڑتی ہیں، اور ان میں پیدا ہونے والا کوئی بھی خلل اپنے دائرۂ اثر کو محض اسی خطے تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ توانائی کی قیمتوں، جہاز رانی، بیمہ اور بالآخر پوری عالمی معیشت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امریکہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنی فوجی موجودگی اور قائم کردہ اتحادوں کے ذریعے ان گزر گاہوں کی سلامتی پر اثر انداز ہونے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے قانونی طور پر ان آبناؤں کا مالک بننے کی ضرورت نہیں؛ اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جہاز رانی کے تحفظ کی سب سے مؤثر قوت بن جائے، یا اس کے برعکس، کسی بھی مقام پر خطرے کی سطح کو اس حد تک بڑھانے کی قدرت رکھے کہ دنیا اس کی مداخلت کی محتاج ہو جائے۔

یہیں آبنائے ہرمز کی حقیقی اہمیت سامنے آتی ہے۔ یہ محض ایران اور امریکہ کے درمیان تنازعے کا ایک نقطہ نہیں، بلکہ دباؤ کا ایسا اہم پتہ ہے جس کے اثرات سب سے پہلے چین اور یورپ تک پہنچتے ہیں۔ چین اپنی توانائی اور تجارت کی مسلسل اور محفوظ ترسیل پر انحصار کرتا ہے، جبکہ یورپ تیل و گیس کی قیمتوں اور نقل و حمل کے اخراجات میں کسی بھی بڑے اتار چڑھاؤ سے براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہرمز میں پیدا ہونے والا کوئی بھی بڑا خلل خلیج کی حدود سے نکل کر ایک وسیع معاشی بحران کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

امریکہ کے لیے آبنائے ہرمز کو عملاً بند کرنا ہرگز ضروری نہیں؛ کیونکہ اس کا مکمل انسداد عالمی معیشت کے لیے تباہ کن ہو گا، اور ممکن ہے کہ خود امریکی معیشت بھی اس کے منفی اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اصل اہمیت اس امر کی ہے کہ

امریکہ اس آبنائے کی سلامتی، استحکام اور جہاز رانی کی آزادی پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت اپنے ہاتھ میں رکھے۔ یوں وہ ہرمز کو ایران اور اپنے دیگر حریفوں کے ساتھ کشمکش میں مذاکرات اور دباؤ کے ایک مؤثر پتے کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔

اسی تناظر میں خطے، بالخصوص عراق میں، ایران کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے حوالے سے امریکی اقدامات کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ معاملہ شاید محض ایران کے بازو کاٹنے تک محدود نہیں، بلکہ مقصد اسے اپنے علاقائی اثر و رسوخ سے حتی الامکان محروم کرنا بھی ہے، تاکہ وہ امریکی مفادات یا جہاز رانی اور توانائی کی آزادانہ نقل و حرکت کے لیے کوئی بڑا خطرہ نہ بن سکے۔

اس صورتِ حال میں ایک ممکنہ اور شاید سب سے زیادہ حقیقت پسندانہ منظر نامہ یہ ہے کہ جہاز رانی بالآخر اپنی معمول کی حالت پر واپس آ جائے، لیکن کسی وسیع تر علاقائی مفاہمت کے فریم ورک کے تحت، جس کی تشکیل میں واشنگٹن ایک بنیادی اور فیصلہ کن فریق ہو۔

اور حیرت انگیز تضاد بھی یہی ہے: دنیا چاہتی ہے کہ آبنائے ہرمز سب کے لیے کھلی اور محفوظ رہے، جبکہ امریکہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی سلامتی کے باب میں فیصلہ کن اختیار اسی کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ اصل معرکہ صرف آبنائے پر قبضے یا اس کی بندش کا نہیں، بلکہ اس بات کا ہے کہ اس کی سلامتی کی چابی کس کے ہاتھ میں ہے، اور کون اس راستے پر اثر انداز ہونے کی قدرت رکھتا ہے جس سے عالمی تجارت گزرتی ہے۔

چنانچہ بعید نہیں کہ ہرمز بالآخر امریکہ اور ایران کے درمیان ہونے والے مذاکرات میں ایک ایسا اہم پتہ بن جائے جس کے اثرات خلیج کی حدود سے کہیں آگے، چین، یورپ اور پوری عالمی معیشت تک پہنچیں۔

کیونکہ اصل لڑائی آبنائے پر نہیں، اس کی چابیوں پر ہے۔

اور اسی لیے آبنائے ہرمز کو محض ایک الگ تھلگ جغرافیائی مقام سمجھنا درست نہیں۔ یہ درحقیقت توانائی، تجارت، سلامتی اور عالمی اثر و رسوخ کے درمیان جاری ایک بڑی کشمکش کا اہم ترین محاذ ہے۔

ایران ان قوت کے پتوں کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا جو اسے امریکہ کے مقابلے میں سیاسی وزن عطا کرتے ہیں۔ چین ایک محفوظ، مستحکم اور بلا تعطل تجارتی و توانائی کا راستہ چاہتا ہے۔ یورپ کی خواہش ہے کہ توانائی کے ذرائع اور

سمندری گزرگاہیں جغرافیائی سیاسی دباؤ اور بلیک میلنگ کے ہتھیار نہ بنیں۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے، تو وہ مشرقِ وسطیٰ کی سلامتی کے میدان میں خود کو ایسی ناگزیر قوت کے طور پر برقرار رکھنا چاہتا ہے جسے نظرانداز کرنا کسی کے لیے ممکن نہ ہو۔

لہٰذا آبنائے ہرمز کا اپنی معمول کی حالت پر واپس آنا محض کسی عارضی بحران کے خاتمے کی علامت نہیں ہو گا، بلکہ یہ کسی وسیع تر معاہدے کا حصہ بھی بن سکتا ہے؛ ایسا معاہدہ جس کے نتیجے میں جہاز رانی بحال رہے، عالمی تجارت کا پہیہ چلتا رہے، مگر ایک نئے سکیورٹی انتظام کے تحت، جو بالآخر یہ طے کرے کہ اس اہم عالمی شہ رگ پر اثرانداز ہونے کی اصل صلاحیت کس کے پاس ہے۔

اور تضاد پھر وہی ہے: عالمی تجارت ایسی گزرگاہیں چاہتی ہے جو سب کے لیے کھلی اور محفوظ ہوں، لیکن امریکہ چاہتا ہے کہ ان گزرگاہوں کی چابی اس کے ہاتھ میں رہے۔

اسی کشمکش میں آبنائے ہرمز ایران اور خلیج کے درمیان محض ایک آبی راستہ نہیں ہے، بلکہ توانائی، تجارت اور عالمی اثر و رسوخ کے مستقبل پر جاری بین الاقوامی کشمکش میں مذاکرات کے اہم ترین پتوں میں سے ایک بن جاتی ہے۔

پس جو قوت آبناؤں کی سلامتی پر اختیار رکھتی ہے، وہ لازماً ان راستوں پر اثرانداز ہونے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے جن پر عالمی تجارت کا پہیہ گردش کرتا ہے۔

اور یہ ایسی دنیا ہے جہاں توانائی، معیشت، سیاست اور سلامتی ایک دوسرے سے اس قدر پیوست ہو چکے ہیں کہ ایک شعبے میں پیدا ہونے والا خلل دوسرے تمام شعبوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

اسی لیے آبنائے ہرمز محض ایک آبی گزرگاہ نہیں؛ یہ عالمی طاقت کے توازن کا ایک ایسا پتہ ہے جو بلکل بھی معمولی نہیں ہے۔

پاکستان کا حقیقی مسئلہ اس پر استعمار کی مضبوط گرفت ہے

اے پاکستان کے اہلِ قوت ومنعت! پاکستان کا حقیقی مسئلہ اس کے معاملات پر استعمار کا مضبوط تسلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کے تمام فیصلے اسلامی شریعت کے مطابق نہیں کیے جاتے، جو کلمۂ حق **"لا إله إلا الله، محمد رسول الله ﷺ"** کے ساتھ غداری کے مترادف ہے۔ اس کے باوجود سول اور فوجی اشرافیہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ان کی اصل فکر صرف اپنا اقتدار برقرار رکھنا ہے، اور اسی مقصد کے لیے وہ دن رات مصروفِ عمل ہیں۔

اب وقت آگیا ہے کہ آپ خاموش تماشائی بنے رہنے کے بجائے اپنی ذمہ داری ادا کریں، ان فاسد اشرافیہ سے اقتدار چھینیں اور اسے اس کے حقیقی حق دار، یعنی امت، کے سپرد کریں۔ حزب التحریر نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے ایک واضح منصوبے کے ساتھ موجود ہے۔ پس آگے بڑھیں اور اس فرض کی ادائیگی میں اپنا کردار ادا کریں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ **"پس نہیں، آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں۔"** (سورۃ النساء: 65)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْماً لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ **"کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟"** (سورۃ المائدہ: 50)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً» **"جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت نہ تھی، وہ جاہلیت کی موت مرا۔"** (صحیح مسلم)

کیا اب وقت نہیں آگیا کہ ہم ظلم کی ریاستوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور رحمت کی ریاست قائم کریں؟

اے امتِ محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ **"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔"** (سورۃ الانبیاء: 107)۔ محمد ﷺ کے دین کے نفاذ نے اسلامی ریاست کو ایک شفیق، محفوظ اور باوقار پناہ گاہ بنا دیا اور اس کی خوش حالی کو یقینی بنایا۔ اس ریاست نے اپنے تمام شہریوں کو، ان کے رنگ، نسل یا مذہب سے قطع نظر، خوش حالی میں شریک ہونے کا موقع دیا اور کمزوروں اور مجبوروں کی جانب رحمت کا ہاتھ بڑھایا۔

امام ابو یوسف حنفی نے اپنی کتاب **الخراج** میں ذکر کیا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق کے شہر حیرہ کے عیسائی باشندوں کے لیے معاہدۂ ذمّہ میں لکھا: **"میں نے ان کے لیے یہ طے کیا ہے کہ جو کوئی بوڑھا ہو جائے اور کام کرنے کے قابل نہ رہے، یا اسے کوئی بیماری یا آفت لاحق ہو جائے، یا وہ مال دار تھا پھر محتاج ہو گیا اور اس کے مذہب کے لوگ اسے صدقہ دینے لگے، تو اس سے جزیہ ساقط کر دیا جائے گا، اور اسے اور اس کے اہلِ خانہ کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔"**

خلافت صدیوں تک ظلم سے بھاگنے والے پناہ گزینوں کے لیے ایک شفیق، محفوظ اور باوقار پناہ گاہ رہی۔ ان میں وہ سفاردی یہودی بھی شامل تھے جنہیں 1492ء میں ملکہ ازابیلا اور بادشاہ فرڈیننڈ کے حکم پر اسپین سے نکال دیا گیا تھا اور جنہیں سلطان بایزید ثانی نے اپنی ریاست میں پناہ دی۔

اے امتِ محمد ﷺ! ہمارا دین اور ہماری اسلامی تاریخ کتنی خوب صورت ہے! پھر ہم یہ کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ مسلمان اپنے ہی ممالک میں امن، عزت اور وقار سے محروم ہوں، خواہ وہ مقامی شہری ہوں، تارکینِ وطن ہوں یا پناہ گزین؟

ہم مسلم ممالک کے موجودہ حکمرانوں کے ظلم، بے حسی، بخل، غفلت اور تعصب پر کیسے خاموش رہ سکتے ہیں؟ کیا اب وقت نہیں آگیا کہ ہم ظلم پر قائم ان ریاستوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور ان کی جگہ دوسری خلافتِ راشدہ، یعنی ریاستِ رحمت، قائم کریں؟

ہمیں اپنے ہاتھوں میں بکھری ہوئی طاقت کی وسعت کا ادراک آخر کب ہو گا؟!

سرکاری حکام اور کمپنیوں کا کہنا ہے کہ پولینڈ ایک طرف یورپ کی سب سے بڑی فوج تیار کر رہا ہے، جبکہ دوسری طرف وہ ایسے دور دراز سپلائرز پر انحصار کم کرنے کے لیے مقامی اور وسطی یورپ کی دفاعی کمپنیوں کی طرف رخ کر رہا ہے جو دفاعی پیداوار میں تیزی سے اضافہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

الرایہ: اے مسلمانو! اگر پولینڈ جیسا ملک یہ سمجھ چکا ہے کہ آزاد اور خودمختار فیصلہ سازی کے لیے ایسی صنعت، طاقت اور وسائل ضروری ہیں جن پر ریاست کا مکمل اختیار ہو، تو آپ کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ آپ کے اپنے ہاتھوں میں کتنی عظیم طاقت بکھری ہوئی ہے۔

آپ کا خطہ وسائل سے خالی نہیں، نہ محلِ وقوع کے اعتبار سے کمزور ہے، نہ افرادی قوت سے محروم ہے اور نہ ہی ذہین اور باصلاحیت افراد سے۔ لیکن یہ تمام قوتیں ان ریاستوں میں بٹی ہوئی ہیں جنہیں استعمار کی کھینچی ہوئی سرحدیں ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ یوں ایک ہی امت کی طاقت درجنوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی ہے، جن میں سے کوئی ایک بھی تنہا وہ وزن اور اثر ورسوخ نہیں رکھتی جو اس امت کے متحد ہونے کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

اس لیے ہمیں عالمی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کو محض تماشائی بن کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ ہمیں انہیں ایک ایسی امت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے جو دنیا کے سامنے ایک مکمل نظریۂ حیات پیش کرتی ہے۔

مادی طاقت کے توازن میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اور پرانے نظاموں کی شکست و ریخت ہمارے اس یقین کو مزید مضبوط کرنی چاہیے کہ موجودہ حقیقت خواہ کتنی ہی مستحکم کیوں نہ دکھائی دے، اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

ہمارا فرض یہ نہیں کہ ہم امریکہ، چین یا یورپ کے بنائے ہوئے نئے عالمی نظام کا انتظار کرتے رہیں۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کے ذریعے اسلامی طرزِ زندگی کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے سنجیدہ اور منظم جدوجہد کریں، تاکہ ہماری طاقت، ہمارے وسائل اور ہمارے سیاسی فیصلے ایک ہی ریاست میں متحد ہوں اور اقوامِ عالم کے درمیان ہمارا باوقار مقام دوبارہ بحال ہو۔

دنیاو آخرت کی فلاح اللہ کی رضا اور اس کی شریعت کے نفاذ میں ہے

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو یہ نعمت عطا کی ہے کہ وہ ایک ایٹمی قوت ہے، اس کے پاس مضبوط فوج اور صنعتی صلاحیت موجود ہے اور اس کے اندر اللہ کی رضا اور شہادت کے حصول کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ سب اسے اس قابل بناتا ہے کہ خلافت کے سائے میں امت کے ممالک اور وسائل کو متحد کرنے کا ایک مضبوط مرکز بن سکے۔

مثلاً انصار و مہاجرین نے خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت کو تین دن اور تین راتوں سے زیادہ خلیفہ کے بغیر نہیں رہنے دیا۔ اس امت کے لیے دو خلفاء کا بیک وقت ہونا جائز نہیں، تو پھر پچاس سے زیادہ حکمرانوں کا وجود کیسے قابلِ قبول ہو سکتا ہے؟

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الآخَرَ مِنْهُمَا»** "**جب دو خلفاء کی بیعت کرلی جائے تو ان دونوں میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔**"

اے پاک فوج کے بہادر افسران! دنیا و آخرت کی عزت اور حقیقی کامیابی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا میں ہے، اور اللہ کی رضا اس کے قانون کو نافذ کرنے میں ہے۔ ہم اس طاغوتی نظام کو مسترد کرتے ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے تجاوز کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **﴿قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىَ لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾** "**یقیناً ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ پس جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے، اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جس کے لیے کوئی ٹوٹنا نہیں، اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔**" (سورۃ البقرہ: 256)

پس ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ جو دنیا کے بدلے آخرت خریدتے ہیں: **﴿إِنَّ اللّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ**

مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُواْ بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ **"بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پس وہ مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ پس اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔"**(سورۃ التوبہ: 111)

بلاشبہ خلافت کی ریاست ہی مسلمانوں، بلکہ پوری انسانیت کے لیے امید اور نجات کا راستہ ہے۔

فلسطینی انتخابات اس سراب کی مانند ہیں جسے پیاسا شخص پانی سمجھ لیتا ہے

فلسطینی اتھارٹی نے آئندہ نومبر میں قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا ہے، جبکہ اگلے سال کے آغاز میں صدارتی انتخابات کرانے کی بات بھی کی گئی ہے۔ یہ پہلی مرتبہ نہیں کہ اتھارٹی نے انتخابات کا اعلان کیا ہو، لوگوں کو اس میں مشغول کیا ہو اور پھر اسے منسوخ کر دیا ہو۔ انتخابات کرانے کا فیصلہ بھی اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں بلکہ امریکہ اور یہودی وجود کے ہاتھ میں ہے؛ ان دونوں کی منظوری اور سرپرستی کے بغیر یہ انتخابات نہیں ہو سکتے۔

اس حوالے سے ارضِ مبارک فلسطین میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے ایک پریس بیان میں کہا گیا:

اگر یہ انتخابات منعقد ہو بھی جائیں تو ان کی حیثیت ان "اصلاحات" کے مطالبے کو پورا کرنے سے زیادہ نہیں جو فلسطینی اتھارٹی پر مسلط کیے جا رہے ہیں۔ یورپی ممالک نے مختلف شعبوں میں اصلاحات کا مطالبہ کیا ہے، جن میں سیاسی اصلاحات بھی شامل ہیں، خصوصاً اس کے بعد جب خود اس کے سرپرستوں نے اس کی بدعنوانی کی نشاندہی کی۔ ان اصلاحات میں انتخابات بھی شامل ہیں۔

اسی طرح ٹرمپ کے بیس نکاتی منصوبے میں بھی "اصلاحات" کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ فلسطینیوں کے حقِ خود ارادیت کی طرف ایک معتبر راستے کے لیے حالات اس وقت سازگار ہو سکتے ہیں جب فلسطینی اتھارٹی کا اصلاحاتی پروگرام دیانت داری سے نافذ کیا جائے۔

جہاں تک اتھارٹی کا تعلق ہے، تو یہ انتخابات اس کے لیے اپنی بوسیدہ "قانونی حیثیت" کو نیا رنگ دینے کا ایک موقع ہیں؛ ایسی قانونی حیثیت جسے بدعنوانی کھوکھلا کر چکی ہے اور جسے عوام میں شدید نفرت اور حقارت کا سامنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اپنے سرپرستوں کے سامنے اپنی ساکھ بحال کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

یہ انتخابات، جیسا کہ دعویٰ کیا جا رہا ہے، حقیقی تبدیلی کے لیے نہیں بلکہ اتھارٹی کے ساتھ مزید فریقوں کو اقتدار میں شریک کرنے کے لیے ہیں۔ انتخابات کے نام پر فلسطینی عوام اور مختلف دھڑوں کو اسی "سانپ کے بل" میں دوبارہ دھکیلا جا رہا ہے جس میں وہ اوسلو معاہدے کے ذریعے داخل ہوئے تھے اور جس سے بے شمار تباہ کن نتائج پیدا ہوئے۔

اس کے ذریعے انہیں آئندہ کی ناکامیوں اور ممکنہ غداریوں کا بوجھ بھی اٹھانے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے، تاکہ ایسے کسی بھی اگلے مرحلے کے لیے ماحول سازگار ہو جس میں مزید دستبرداری، مزید پسپائی اور مزید زوال مطلوب ہو۔

خصوصاً اس لیے کہ اتھارٹی نے ایک سابق قانون میں انتخابی امیدواروں کے لیے یہ شرط بھی عائد کی تھی کہ وہ پی ایل او کے معاہدوں کو تسلیم کریں اور ان کی پابندی کریں۔ گویا وہ امیدواروں پر بھی اسی دستبرداری، غداری، پسپائی اور ناکامی کے راستے کو مسلط کر رہی ہے جس پر وہ خود چلتی رہی ہے، اور جس کی تلخی فلسطینی عوام پہلے ہی چکھ چکے ہیں اور جس کے نتیجے میں ان کا پورا قومی مقدمہ تباہ ہو چکا ہے۔

اس لیے اس عمل میں حصہ لینا، خواہ امیدوار کی حیثیت سے ہو یا ووٹر کی حیثیت سے، اللہ کے ہاں ایک سنگین گناہ اور جرم میں شرکت ہے۔

اور جہاں تک زمینی حقیقت کا تعلق ہے، تو اتھارٹی اپنی "قانون ساز اسمبلی" کہاں قائم کرے گی؟ کس زمین پر، جسے یہودی بستیاں اور یہودی وجود کے بلڈوزر نگلتے جا رہے ہیں؟ کس عوام پر، جنہیں قتل و غارت گری کچل رہی ہے، بھوک ستا رہی ہے اور جبری ہجرت کے منصوبے مسلسل ان کا تعاقب کر رہے ہیں؟

یہ وہ اتھارٹی ہے جو اپنے ملازمین کو ان کے بنیادی حقوق تک دینے سے عاجز ہے، تعلیمی اور طبی اداروں کی تباہی کو روکنے میں ناکام ہے، یہاں تک کہ وہ ایسے گھر کی مدد بھی نہیں کر سکتی جسے آبادکاروں نے گھیر رکھا ہو، نہ ان کے کسی گروہ کے پتھروں سے بند کی گئی سڑک کھول سکتی ہے اور نہ ہی پانی کے ایک نل پر اس کا کوئی حقیقی اختیار ہے۔ پھر یہ کیسی خودمختاری، کیسی آزادی اور کیسے انتخابات ہیں جو قابض فوج کے بوٹوں تلے اور اس کی بندوقوں کے سائے میں منعقد کیے جانے والے ہیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ فلسطین کو چاہیے کہ وہ ان انتخابات میں کسی بھی صورت شرکت سے ہوشیار رہیں؛ خواہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر، امیدوار کی حیثیت سے یا ووٹر کی حیثیت سے۔

اس عمل کو جس زاویے سے بھی دیکھا جائے، اس میں شر ہی شر نظر آتا ہے۔ اس کا پہلا شر فلسطین سے دستبرداری کے جرم کو تسلیم کرنا اور پی ایل او کی اس سنگین ترین غداری میں بالواسطہ شریک ہونا ہے جو اس نے کی۔ دوسرا شر مسئلۂ فلسطین کو اس کے اسلامی اور عقیدتی پس منظر سے جدا کرنا ہے۔ تیسرا شر، اور یہ آخری نہیں، ان لوگوں کے منصوبوں کے پیچھے چلنا ہے جنہوں نے غزہ کے لوگوں کا قتل کیا، ان کے خلاف دشمن کی مدد کی، آج بھی ان کا محاصرہ جاری رکھا ہوا ہے، ان سے ہتھیار چھین رہے ہیں اور "امن کونسل" کے نام پر انہیں یہودی وجود کے حوالے کرنے کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔

لہٰذا یہ معاملہ محض کھیل، تماشا یا وقت گزاری نہیں، بلکہ ایک سنگین جرم ہے جو اس میں شریک ہونے والے کے لیے گناہ اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں لائے گا۔ دنیا میں اس سے کوئی خیر حاصل نہیں ہو گی، بلکہ آخرت میں ذلت اور ندامت اس کا انجام ہو گی۔